وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان

(قرآن کی نظر میں)



تالیف : کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر عمر فاروق ڈوگر

ڈائریکٹر سید مودودیؒ بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ، وحدت روڈ، لاہور

ولقد یسرنا القرآن فهل من مدکر

تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان

(قرآن کی نظر میں)

تالیف:
کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر عمر فاروق ڈوگر

www.KitaboSunnat.com

[illegible] وحدت روڈ لاہور

نام کتاب : تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان
(قرآن کی نظر میں)
مصنف : کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر عمر فاروق ڈوگر
صفحات : ۱۴۴
اشاعت اول : دسمبر ۱۹۹۹
قیمت : ۱۰۰ روپے

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ بے ماڈل ٹاؤن
لاہور

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب!

ننھی بیٹی ثناء جاوید کے نام!

جس نے راقم الحروف سے روسی سیارچے کے بارے میں دریافت کیا جو مریخ کی سطح پر انسانی زندگی کے آثار کا پتہ لگانے کے لئے چھوڑا گیا۔ یقیناً ثناء ذہین، محنتی اور عقل مند بھی ہے۔ وہ ہر چیز کی ماہیت اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش مند ہے جو پے در پے سوالات کرتی چلی جاتی ہے اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوتی، جب تک اطمینان بخش جواب نہ مل جائے۔ وہ ہر چیز کا بہ چشم خود مشاہدہ کرنے پر اصرار کرتی ہے اور اسے عملی تجربے کے عمل سے گزارنے کی عادی ہے۔ اس کی ابزرویشن بہت تیز ہے اور ہر چیز کا بغور جائزہ لیتی ہے۔

چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو یہ سب مراحل تحقیق اور مدارج جستجو انسان کو یقینی علم اور حتمی معرفت سے ہمکنار کرتے ہیں۔

⊛ ⊛ ⊛

تقدیم و تعارف

زیر نظر کتاب "تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان، قرآن کی نظر میں" تالیف کرنے کا فوری سبب اور تحریک نوائے وقت لاہور ایڈیشن مورخہ 30 جولائی 1999ء کی ایک خبر ہے، جس میں بتایا گیا کہ اسرائیل نے انٹرنیٹ پر "اللہ اکبر" کے عنوان سے ایک پروگرام جاری کیا جس میں لہو ولعب اور لغو و بے ہودگی جیسی خرافات کو شامل کیا گیا تھا۔ اے کاش! ہمارے اہل فکر و دانش اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے جدید سائنسی دنیا کو صحیح اسلامی تعلیمات اور اقدار حیات سے روشناس کرا سکیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے اس سے قبل علمی و تحقیقی حلقوں میں راقم الحروف کی کتاب "تحقیق کے اصول و ضوابط احادیث نبویہ کی روشنی میں" متعارف ہو چکی ہے اور بہت سے اہل علم اور صاحبان بصیرت حضرات نے اس کاوش پر میری حوصلہ افزائی کی ہے، جس کے لئے ان محسنوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

مذکورہ بالا کتاب کی تحقیق کے متوالوں اور تلاش کاروں کے ہاں مقبولیت سے "تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان قرآن کی نظر میں" لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ صباحی تلاوت قرآن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر تدبر قرآن، تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن اور دیگر مشہور عربی و اردو کا مطالعہ اس سلسلے میں ممد و معاون ثابت ہوا اور یقیناً اس کی تحریر و تالیف کے تمام مراحل میں توفیق ایزدی شامل حال رہی۔ اس طرح الحمدللہ یہ نیک کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ان شاء اللہ، اس کے بعد تحقیق کے اصول و مبادی اسلامی ادبیات کی روشنی میں تالیف کروں گا۔

یاد رہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ علمی و تحقیقی اور فکری و سائنسی موضوعات کی طرح کتاب ہذا قرآن کے حوالے سے تحقیق کا مفہوم، تحقیق کے اغراض و مقاصد، تحقیق کے تقاضے،

تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان اور تحقیق کے مختلف طریقوں پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر پہلی کتاب ہونے کی بدولت، جہاں تک فن تحقیق کے اجزاء ترکیبی، اس کے اسالیب ومناہج، لوازم و مبادیات اور فروع جزئیات کا تعلق ہے، یہ کتاب ایسے عنوانات تحقیق کے لئے مصدر اولیں کا درجہ رکھتی ہے اور اصحاب علم وفن اپنی وقیع نگارشات اور تحقیقی مقالہ جات کی صورت میں اس پر تحقیقی عمارت استوار کر سکتے ہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ متن کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کے مختلف ابواب اور ان کی محتویات کا طائرانہ جائزہ ہمارے محترم قارئین اور شائقین تحقیق کے لئے مفید اور موزوں ثابت ہوگا۔

پہلا باب، "تحقیق کا مفہوم" کے نام سے ہے، جس میں علم کی دریافت، وہم وگمان سے اجتناب، حقیقت بیانی، دل ونگاہ کی یکسانیت، اصالت وامانت، جھوٹ کی وکالت، حقیقت شناسی، یقین کا حصول، خبر کی تصدیق اور ایمان کا استحکام جیسے ذیلی عنوانات شامل کیے گئے ہیں۔

دوسرا باب، تحقیق کے اغراض ومقاصد کو واضح کرتا ہے، جن میں سے ہدایت کا حصول، علم کی ثقاہت، علم کا نور بصیرت، اہل علم کے اعلیٰ درجات، علم کی کرشمہ سازیاں، تحقیق کے دیرپا اثرات، فلاح وکامرانی اور امن وسلامتی کا قیام درج کیے گئے ہیں۔

تیسرے باب کا عنوان "تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان ہے" جو کہ سائنسی طرز استدلال، عینی مشاہدے، ثقہ معلومات، صحیح اور واضح ریکارڈ، مثبت رویہ، علم کا ارتقاء، صداقت شعاری، محنت وجانفشانی اور نگران کے اوصاف وذمہ داریوں پر مشتمل ہے۔

چوتھا باب "تحقیق کے تقاضے ہے" جو کہ حریت فکر اور آزادی رائے، عقل وشعور کا استعمال، حسن اختلاف، اخلاق ونیک نیتی، شہادت حق اور معاشرتی برائیوں سے اجتناب پر مبنی ہے۔

آخری باب "تحقیق کے طریقے" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات، علم کا مصدر اولیں، تاریخی استشہاد اور آثار قدیمہ، علمی رحلات واسفار، اجتماعی پراجیکٹ، علمی مقابلے اور فکری مذاکرے، تقسیم ودرجہ بندی، دعوت کا علمی اندازہ، مواد کی جمع وتدوین اور حاصل بحث پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے آخر میں تجاویز وسفارشات پیش کی گئی ہیں۔

کتاب میں سہل انداز نگارش، سلیس زبان اور مختصر پیراجات کا دلفریب طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ مشکل اور پیچیدہ قرآنی الفاظ وکلمات کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف وہی

اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو کہ ناگزیر تھیں، نیز ایسی اصطلاحوں کے مترادف الفاظ و مفاہیم کو بیان کر دیا گیا ہے، تاکہ عام قارئین کو وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

کتاب کی امتیازی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ وشت تحقیق میں شناوری کرنے اور تحقیق مزاج کو اجاگر کرنے کے لئے تمام ابواب کے عنوانات کی جہاں قرآنی آیات کے حوالے سے تشریح کی گئی ہے وہاں تحقیقی اسلوب و منہاج، تحقیقی تقاضوں اور تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان کی ضروری وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ مطلوبہ عنوان کے ساتھ مناسبت و یگانگت ممکن ہو۔

اسی طرح علمی اور تحقیقی موضوعات پر لکھتے وقت اولیں مصادر و مراجع کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور بقدر ضرورت ثانوی مصادر کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مسلمہ بین الاقوامی حقائق اور تاریخی دلائل اور آثار قدیمہ سے بھی استشہاد کیا گیا ہے جو کہ واقعی پختہ اور دیرپا ثابت ہوتے ہیں

خبر دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

اللھم ارض عنا و وفقنا کی نخدم دینک الحنیف!

11 ستمبر 1999ء
بمطابق 25 جمادی الاول، 1420ھ

کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر عمر فاروق ڈوگر
ڈائریکٹر، سید مودودی بین الاقوامی اسلامی انسٹی ٹیوٹ وحدت روڈ، لاہور 18

باب اول

تحقیق کا مفہوم

اسلامی ادبیات میں تحقیق کا مفہوم' اہمیت و ضرورت اس کے بنیادی عوامل و ارکان اور ترکیبی عناصر کو سمجھنے کے لئے سب سے نمایاں مثال جمع و تدوین قرآن کی ہے۔ قرآن کریم کے متن کی ترتیب و تدوین ادبی دنیا کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ تحقیق کا مقصد کیا ہو اور غرض و مدعا کیا ہو؟ اس کے بارے میں بھی قرآن میں واضح طور پر رہنمائی ملتی ہے۔ تحقیق کے اصولوں اور طریق کار کا اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اس کی اخلاقیات و اقدار سے کیا بنیادی تعلق ہے؟ اس کی امثلہ قدم قدم پر پائی جاتی ہیں۔

قرآن حمید میں تحقیق کے مقاصد کو اجاگر کرنے کی خاطر مختلف اسالیب و مناہج اپنائے گئے ہیں۔ ایک طرف تحقیقی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تحقیقی انداز فکر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے' مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے تحقیقی منہاج پر استقامت کے ساتھ قائم رہنے کی دعائیں سکھلائی گئی ہیں تو دوسری طرف ایسے عملی اقدامات انفرادی منصوبے اور اجتماعی پراجیکٹس کی نشان دہی کی گئی ہے' جن کی بدولت تحقیقی نقطہ نظر فروغ پاتا ہے اور وہ افراد معاشرہ میں عادت راسخہ اور ضابطہ ثابتہ کے طور پر رواج پذیر ہو جاتا ہے۔

تحقیق علم و یقین کی منزل کے حصول کا نام ہے' اس میں وہم و گمان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ حق و صداقت اور حقیقت و اصلیت کا اظہار ہوتا ہے جس میں انسان کے دل و نگاہ کی یکسانیت اور نظریہ و عمل کی یگانگت کارفرما ہوتی ہے۔ تلاش کار اخلاص و وفا اور امانت و دیانت کے اسلحہ سے مسلح ہوتا ہے۔ اس راہ میں اضطراب و بے چینی مہلک ثابت ہوتے ہیں اور ترکیز و یکسوئی منزل کو قریب کر دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے تحقیق کے اسی مفہوم کو مختلف حسین پیرایوں میں بیان کیا ہے' جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- علم کی دریافت:

پروردگار عالم رشد و ہدایت کا منبع اور علم و معرفت کا سرمدی سرچشمہ ہے تمام انسانیت حصول علم کے لئے اسی کی مرہون منت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" (البقرہ:226)

کہ اللہ صاحب علم ہے اور تم (حقیقی) علم سے محروم ہو۔ دوسری آیت میں اسی علم و معرفت کو حق و صداقت کا نام دیتے ہوئے اسے عطیہ خداوندی قرار دیا ہے:

"الحق من ربک فلا تکونن من الممترین" (البقرہ:147)

مشہور مفسر مولانا عبداللہ" یوسف علی اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"Truth comes from God, and it remains truth, however men might try to canceal it or throw doubts on it." ؎

کہ صداقت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور وہ صداقت ہی کے طور پر قائم رہتی ہے' خواہ انسان اسے چھپانے کی کوشش کریں یا اس میں شک پیدا کریں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت میں جہاں تلاوت آیات ہے وہاں تعلیم و تزکیہ اور تربیت اخلاق و حکمت بھی شامل ہے:

"کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم ایاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمه ویعلمکم مالا تعلمون" (البقرہ:151)

"جیسے کہ ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر تمہاری آیتیں تلاوت کرتا ہے' تمہارا تزکیہ کرتا ہے' تمہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور اتمہیں وہ کچھ سکھلاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"

یقینی علم اور حقیقی معرفت کے حصول کے بعد انسانی خواہشات اور آرزوؤں کی پیروی سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے' بلکہ قائد امت اسلامیہ کو ایسا کرنے کی صورت میں ظالموں کی فہرست میں شامل کرنے کی وعید سنائی گئی ہے:

"ولئن اتبعت اھوائھم من بعد ماجاء ک من العلم انک لمن الظلمین" (البقرہ:145)

"اور اگر آپ علم کے حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان (کفار) کی خواہشات کی پیروی کریں

گے تو یقیناً آپ کا شمار ظالموں میں سے ہو گا۔"

مشرکین مکہ نے حقیقی علم (وحی خداوندی) کے نازل ہونے کے باوجود اسے ترک کر کے اپنے آباء و اجداد کی ہوئی جہالت و لاعلمی کو اپنائے رکھا' اسی لئے قرآن کریم نے انہیں گونگے' بہرے اور اندھے قرار دیا' کیونکہ انہوں نے قدرت کی عطا کردہ تمام صلاحیتوں کو وحی الٰہی سے دور رکھا تھا۔

"واذا قیل لھم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما الفینا علیه اباء نا اولوکان اباؤھم لایعقلون شیئا ولا یھتدون○ صم بکم عمی فھم لا یعقلون" (البقرہ:170'171)

صحیح تعلیم اور مکمل درس معرفت کے لئے کامل استاد کا ہونا ایک بنیادی شرط ہے چنانچہ درس ہدایت دینے والی ہستی خود مالک دوجہاں ہے جس کے علم اور معرفت کی حدود لامتناہی ہیں اور تمام اشیاء کائنات پر محیط ہیں' جس کی شہادت قرآن نے اس طرح فراہم کی ہے:

"واعلموا ان الله بکل شیئی علیم" (البقرہ:232)

"اور تم یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ تمام علوم و فنون کی طرف راہنمائی کرتا ہے' جسے وہ نہیں جانتے۔ ارشاد باری ہے:

"کما علمکم مالم تکونوا تعلمون" (البقرہ:239)

"کہ جیسے اس (اللہ) نے تمہیں وہ کچھ سکھلایا جو تم نہیں جانتے تھے۔"

عقل و شعور' علم و حکمت اور معرفت و طریقت وہ جوہر ہیں جن سے ویسے تو ہر مسلمان کو آراستہ ہونا چاہئے' لیکن قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے لئے یہ بنیادی اصول و شرائط قرار دی گئی ہیں چنانچہ حضرت طالوت کو جب شکست خوردہ اور پست ہمت قوم بنی اسرائیل کی عسکری قیادت کے لئے منتخب کیا گیا تو انہوں نے اس کی غربت و افلاس کے سبب اعتراض کیا۔ اس پر پروردگار نے فرمایا:

"ان الله اصطفٰه علیکم وزاده بسطة فی العلم والجسم" (البقرہ:247)

کہ یقیناً اللہ نے اسے تمہاری قیادت کے لئے چنا ہے اور اسے بہت زیادہ علم اور تنومند جسم سے نوازا ہے' ہمارا مشاہدہ ہے کہ جنگیں مضبوط اعصاب اور جسدی قوت کی حامل عسکری قیادت جیت سکتی ہیں۔ چنانچہ کارگل کی حالیہ جنگ کے دوران میں ہماری مسلح افواج کے جوانوں اور جاں فروش مجاہدین نے جس ہمت و جواں مردی' جرات و استقامت اور شجاعت و بہادری کی

داستانیں رقم کیں وہ اسلامی تاریخ کا سنہری باب ثابت ہوں گی۔ بھارتی فوج اور اس کی سیاسی و عسکری قیادت نے اپنی ہر قسم کی زمینی و فضائی قوت توپوں' گنوں' میزائلوں' ٹینکوں' ہیلی کاپٹروں اور لڑاکا و بمبار طیاروں کو کارگل کی وادی میں جھونک دیا' آزاد کشمیر کی 780 کلو میٹر کی سرحدوں پر حملہ کرنے کی دھمکیاں دیں اور بحری ناکہ بندی کرنے کا شور مچایا اور آخر میں یہ کہہ کر نفسیاتی حربوں کی حد کر دی کہ بھارت ایٹمی حملہ کرنے والا ہے۔ مگر مکار دشمن کے یہ تمام حربے اور چالیں ناکام ثابت ہوئیں اور مجاہدین 31 ہزار مربع میل کے علاقے پر قابض ہو گئے۔

آخر کار دشمن کی سازش ہماری اپنی بزدل سیاسی قیادت کو جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو گئی اور واجپائی' کلنٹن کے گٹھ جوڑ نے اپنا کام کر دکھایا۔ اس طرح واشنگٹن معاہدہ عمل میں لایا گیا اور ہماری بہادر افواج اور جری مجاہدین کو پسپائی کا حکم صادر کیا گیا۔ کسی شاعر نے اس پر بہت جامع تبصرہ کیا ہے:

پوچھتے ہیں چاغی کے پہاڑ ایٹم بم کا کیا بنا لوگو
میرے شاہینوں پہ ہے کیا بیتی کچھ تو بولو اے بے وفا لوگو

ریاض الرحمٰن ساغر نے "سوداگر" کے عنوان سے بہت خوب نظم کہی:

منزل کو وہ مع راہ گزر بیچ رہے ہیں | اجداد کی عمروں کا سفر بیچ رہے ہیں
لگتے ہیں جنہیں مغربی کنکر بڑے پیارے | وہ ان کے عوض لعل و گہر بیچ رہے ہیں
پرواز کو بے چین ہیں اقبال کے شاہین | کچھ لوگ مگر ان کے بھی پر بیچ رہے ہیں
کیا دعوے کروں حق شفع بھی نہیں حاصل | وہ پوچھے بنا مجھ سے یہ گھر بیچ رہے ہیں
لڑتے رہے ہم تیرگی سے آخر شب تک | ہیں کون جو کرنگ سحر بیچ رہے ہیں
سوکھے نہیں آنسو ابھی آنکھوں سے ہماری | وہ ہیں کہ فضاؤں کا اثر بیچ رہے ہیں
حق ہے سبھی سرداروں کو سر اپنے بچائیں | یہ کیا کہ وہ ہم لوگوں کے سر بیچ رہے ہیں
اندازہ نہیں قبر کی تاریکی کا ان کو | اس دھرتی کے جو شمس و قمر بیچ رہے ہیں
ہم اپنے لہو سے ہی بدن اپنا خریدیں | وہ لوگ ہمیں سستا اگر بیچ رہے ہیں

2- ظن و گمان سے اجتناب:

علم کی بنیادیں مستحکم علمی و فکری اور تحقیقی کارناموں پر استوار ہوتی ہیں۔ وہم و گمان اور ظن و تخمین کو اس میں کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان کی ذاتی خواہشات اور دلی

تمناؤں کی کوئی وقعت دی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اہل کتاب میں سے یہودیوں کی اسی لئے مذمت کی ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی آرزوؤں کو وحی الٰہی کا درجہ دے کر علم کی حیثیت دے ڈالی۔

"ومنهم اميون لايعلمون الكتب الا امانى وان هم الا يظنون"

(البقرہ:78)

اور ان میں سے ان پڑھ اپنی خواہشات ہی کو کتاب (الٰہی) سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ محض گمان کر رہے ہیں۔

اہل کتاب کی ذاتی خواہشات اور تمناؤں کا دائرہ بہت پھیلا ہوا تھا۔ دنیاوی زندگی کی حدود سے تجاوز کر کے وہ اخروی زندگی کی حدود کو چھو رہا تھا' کیونکہ ان کا یہ زعم باطل تھا کہ یہود ونصاریٰ ہی جنت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ قرآن نے اس دعوے کو باطل ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

"وقالوا لن يدخل الجنة الا من كان هودا اونصارى تلك امانيهم قل هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين" (البقرہ:111)

اور انہوں نے کہا: جنت میں یہود ونصاریٰ کے علاوہ ہرگز کوئی اور داخل نہیں ہو گا' یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ کہہ دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلائل لاؤ۔

لہٰذا ہمیں تمناؤں اور خواہشات کے برعکس علمی حقائق اور سائنسی صداقتوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حکم خداوندی ہے ایسی فضول قسم کی خواہشات کی پیروی کرنے والوں سے اللہ کی حفاظت کا حصار اٹھالیا جاتا ہے۔

"ولئن اتبعت اهواءهم بعد ماجاءك من العلم مالك من الله من ولى ولا واق" (الرعد:37)

اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی علم حاصل ہونے کے باوجود کرو گے تو اللہ کی جانب سے تمہارے کوئی دوست اور محافظ نہ ہو گا۔

3- حقیقت بیانی:

اسلامی تعلیمات میں مشاہدے' تجربے' اور تحقیق و تفتیش کی بنیاد پر حاصل کردہ حقائق اور معلومات کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔ اللہ کریم نے حس و ادراک کی جن قوتوں سے انسان کو نوازا ہے' ان کا صحیح اور مکمل استعمال کرنے کی تلقین کی گئی ہے' انسان کو چاہئے کہ عقل و شعور

اور فکر و سوچ پر تالے نہ لگائے بلکہ درست سمت متعین کرکے اسرار و رموز کائنات کے پردے چاک کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا رہے۔ قرآن حکیم میں عالم النفس و آفاق میں بکھری ہوئی بے شمار آیات وبینات پر غور و فکر کرتے قدرتی حقائق کی کھوج لگائے۔ (۳) جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

حقیقت ایک ہے ہر شی کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے' اگر ذرے کا دل چیریں

فاضل محققین کی رائے میں تحقیق ایسے مسائل کے حل کے لئے ایک محتاط اور تنقیدی جستجو ہے جو کہ بنی نوع انسان کے لئے مصیبت و پریشانی کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔ تحقیق' حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے اور ہمارے عمل میں نکھار پیدا کرتی ہے۔ بعض کے نزدیک تحقیق ایسا قیمتی اثاثہ ہے جو شہریوں کے لئے سماجی ترقی کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ مشاہدات و تجربات سے حاصل ہونے والا مدلل مواد پوشیدہ حقائق و واقعات کو بے نقاب کرتا ہے۔ کلفورڈ ووڈی (Cliford Woody) کے مطابق تحقیق دراصل حقائق کی تلاش ہے یا شعور تحقیق میں حل کا تعین اصل مقصد ہے۔ اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ تحقیق صرف حقیقت کا جاننا ہی نہیں بلکہ وقت طلب' گہری اور بامقصد تلاش ہے اور محقق کا تنقیدی رویہ تحقیق میں حقیقت کا رنگ چڑھاتا ہے۔ (۴)

قرآن نے **اشهر السنه** (سال کے مہینے) کی تعداد بارہ بتاتے ہوئے جہاں ایک عظیم حقیقت بیان کی وہاں عربوں کی نسی کی غلط اور فضول رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ جس کے تحت وہ مختلف مہینوں کو مقدم و موخر (آگے پیچھے) کرتے رہتے تھے۔

"ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فى كتب الله" (التوبہ:36)

یقیناً اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں (سال میں) مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔

قرآن کریم نے اہل کتاب میں سے اصحاب علم کا تذکرہ کیا ہے جو قرآن اور رسول اکرم ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے مگر دھرمی اور ضد نے انہیں خسارے اور گھاٹے کا سودا کرنے پر آمادہ کردیا۔

الذين اتينا هم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابناء هم الذين خسروا انفسهم فهم لايومنون" (الانعام:20)

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے (قرآن / آنحضرت ﷺ) کو (بہ خوبی) پہچانتے ہیں

جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا۔ پس وہ ایمان نہیں لاتے۔

اہل کتاب کے برعکس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن واضح آیات اور بین دلائل پر مشتمل ہے اور وہ ہر چیز کا صاف صاف قطعی فیصلہ کرتا چلا جاتا ہے' کیونکہ اس کا شیوہ حقیقت بیانی اور حق گوئی ہے:

"قل انی علی بینة من ربی وکذبتم به ماعندی ماتستعجلون به ان الحکم الا الله یقص الحق وهو خیر الفصلین" (الانعام:57)

کہہ دیجئے: یقیناً میں اپنے پروردگار کی طرف سے (عطا کردہ) واضح دلیل پر (قائم) ہوں جس کی تم نے تکذیب کی ہے' میرے پاس وہ نہیں ہے جسے حاصل کرنے کی تم جلدی کرتے ہو' فیصلہ تو اللہ ہی کا ہے' وہ درست اور صحیح فیصلہ کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

آیت کے آخری ٹکڑے **"یقص الحق وهو خیر الفصلین"** کا ترجمہ عبداللہ یوسف علی" نے اس طرح فرمایا ہے " Best judge, decla res the truth" کہ وہ بہترین منصف ہے جو صداقت و حقانیت کا فیصلہ کرتا ہے۔

قرآنی قصص و واقعات حقائق پر مبنی ہیں۔ سورۂ یوسف کے خاتمہ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ یوں تبصرہ کناں ہیں کہ یہ تمام قصے حقیقتوں پر مشتمل ہیں' ان کے ذریعہ گزشتہ کتب سماویہ کی تصدیق ہوتی ہے' رموز اور اسرار کائنات کی وضاحت ہوتی ہے اور اہل ایمان ویقین کے لئے رشد و ہدایت کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں:

"لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شی وهدی ورحمه لقوم یومنون" (یوسف:111)

ان کے قصوں میں اصحاب عقل کے لئے عبرت ہے۔ یہ گھڑی ہوئی بات نہیں تھی بلکہ تصدیق کرتی ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرتی ہے اور اہل ایمان گروہ کے لئے راہنمائی اور رحمت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کرتے ہوئے بھی اسی حقیقت پر سے پردہ کشائی فرمائی ہے کہ قرآنی آیات بینات ہیں جو کہ حق و صداقت پر مبنی ہیں:

"تلک ایت الکتب والذی انزل الیک من ربک الحق ولکن اکثر الناس

لایومنون" (الرعد:1)

یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں اور جو کچھ تمہاری طرف اتارا گیا ہے وہ برحق ہے لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

سورہ الحجر میں قرآنی حقانیت بیان کرتے ہوئے صداقت خداوعدی کو اس کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ "واتینک بالحق وانا لصدقون" (الحجر:64)

اور ہم نے آپ کو حق لا کر دیا ہے اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ راہ راست کجروی سے پاک ہوتا ہے اور اس میں سچائی کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے اور قرآنی تعبیر کے مطابق یہی اللہ کی طرف راہنمائی کرنے والا صراط مستقیم ہے:

"قال هذا صراط علی مستقیم" (الحجر:41)

ایک دوسری آیت کریمہ میں قرآن حمید کو ہر قسم کی کجروی سے منزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"الحمدلله الذی انزل علی عبده الکتب ولم یجعل له عوجا" (الکھف:1)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب (قرآن) اتاری اور اس میں کوئی کجروی نہیں بنائی۔

4- دل و نگاہ کی یکسانیت:

تحقیق کام کرنے کے لئے علم و عمل میں یگانگت اور دل و نگاہ کی یکسانیت کا ہونا ضروری ہے ورنہ محقق کی توجہ بٹ جاتی ہے اور وہ مطلوبہ نتائج و مقاصد کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔ قرآن علم کا مرقع اور معرفت و یقین کا اصل سرچشمہ ہے اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے قلب و نظر کی یکسوئی ایک لازمی امر ہے۔

غزوۂ احد کے دوران منافقین مدینہ کے گھناؤنے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان کے زبانی دعوں اور عقائد میں تفاوت ہے اور وہ دل و نگاہ کی یکسانیت اور قلب و نظر کی ہم آہنگی سے محروم ہیں:

"یقولون بافواههم مالیس فی قلوبهم والله اعلم بما یکتمون" (آل عمران:167)

وہ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی اور اللہ ان کی چھپائی ہوئی باتوں

کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے قرآن نے انہیں قول و فعل میں ہم رنگی پیدا کرنے کی تلقین کی ہے اور نظریہ و عمل میں اختلاف کو عظیم گناہ شمار کیا ہے:

"یاایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون ○ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون○" (الصف:1'2)

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے ہاں یہ گناہ عظیم ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم خود عمل نہ کرو۔

ایک دوسری آیت میں بے عمل عالم انسانوں کی مثال کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے گدھے کی دی ہے اور انہیں ظالموں میں شمار کیا ہے اور اللہ کی ہدایت سے محروم قرار دیا ہے۔

"مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بایات اللہ واللہ لایھدی القوم الظالمین" (الجمعہ:5)

حاملین تورات کی مثال جنہوں نے اس پر عمل نہ کیا' اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا انبار اٹھائے ہوئے ہو۔ اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرنے والوں کی بری مثال ہے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت سے سرفراز نہیں کرتا۔

5- انصاف اور امانت:

جس طرح ہماری عام معاشرتی زندگی میں دوسروں کا مال غصب کیا جاتا ہے ان کی پراپرٹی کو ناجائز ہڑپ کیا جاتا ہے' ان کی چیزوں کو چوری کیا جاتا ہے اور ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں اسی طرح علمی دنیا اور تحقیقی میدان میں بھی دن دیہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں اور شب خون مارے جاتے ہیں۔ مصنف' مولف' رائٹر' لکھاری اور علماء و محقق بننے کے شوق اور امیر ہونے کے لالچ میں دوسرے محققین حضرات اور مفکرین عظام کے کارناموں کو اپنی طرف منسوب کر لیا جاتا ہے اور ان کی نگارشات اور تحقیقی مقالہ جات و کتب کو کلیتہ" یا جزئیا" چھپا لیا جاتا ہے' تاکہ شہرت حاصل کی جائے یا مال کمایا جائے۔ ایسے لوگ بھی واقعتا" غاصب' ڈاکو اور چور کہلانے کے مستحق ہیں۔

مذکورہ بالا حقیقت کے باوجود تحقیقی دنیا میں محققین کی تحقیق سے فائدہ حاصل کرنے اور

انسانیت کی فلاح وبہبودی کے مقصد کے تحت معلومات اور حقائق کی دریافت کرنے کے لئے یہ گنجائش موجود ہے کہ دوسرے تلاش کاروں اور مصنفین سے حوالہ جات اور اقتباسات دیئے جا سکتے ہیں' لیکن ایسی صورت میں اس کا اعتراف کرنا اور شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اصل محققین کی تصنیفات' تالیفات اور تحریروں کی نشاندہی کی جاتی ہے' تاکہ مزید معلومات حاصل کی جا سکیں اور درِ تحقیق کشادہ رکھا جا سکے۔ یہ امانت و دیانت اور عدل وانصاف کا تقاضہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید نے سورہ البقرہ اور آل عمران میں یہود ونصاریٰ کی شرمناک عادتوں اور گھٹیا حرکات کی تفصیل بیان کی ہے۔ وہ تورات وانجیل میں درج شدہ احکامات و قوانین کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے اور اصل حقائق پر پردہ پوشی کرتے تھے' جیسا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رجم کی سزا والی آیت پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنی طرف سے احکام گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ واقعتاً ان کی یہ حرکت صریحاً علمی خیانت اور تحقیقی بددیانتی کے زمرے میں آتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا"

(النساء:58)

یقیناً اللہ تمہیں امانت والوں کو امانتیں سپرد کرنے کا حکم دیتا ہے اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو' بلاشبہ اللہ تمہیں بہترین موعظت فرماتا ہے اور یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں امانت و دیانت اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور لوگوں کو ان کے اموال' ممتلکات' حقوق اور امانتیں دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کتب کے سرورق کے بعد دوسرے صفحہ پر جہاں طبع نمبر' ناشر کا نام' ملنے کا پتہ' قیمت کتاب جیسی معلومات درج ہوتی ہیں' اس کے ساتھ ہی ایک مخصوص فقرہ "جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں" لکھا جاتا ہے' اس کے تحت قانونی اور سرکاری طور پر اسے یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی چوری کرنے والوں کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کر سکتا ہے۔

گویا دوسرے مصنفین اور محققین کی کتب کی چوری کرنا جہاں اخلاقی بددیانتی' علمی خیانت' معاشرتی برائی اور مذہبی قباحت ہے وہاں یہ ایک قانونی جرم بھی ہے' جس کا ارتکاب کرنے

والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

6- جھوٹ کی وکالت:

فن تحقیق نہایت ہی صاف شفاف اور مقدس کام ہے ' یہ حقیقتوں کا مظہر' صداقتوں کا سرچشمہ ' سچائیوں کا مرجع اور علم و معرفت کا منبع قرار پاتا ہے ' جسے کذب و افتراء اور جھوٹ و من گھڑت باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم عالمگیر صداقتوں ' اعلیٰ انسانی اخلاق و اقدار اور بلند اخلاقیات کا عظیم شہ پارہ ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت: "**ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشھد اللہ علی مافی قلبہ**" (اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ دنیاوی معاملات کے بارے میں ان کی باتیں تمہیں بہت بھلی لگیں گی اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے) کی تفسیر میں سید قطب شہید نے لکھا ہے کہ آیت کا ایک ایک لفظ صورت حال کے خدوخال کو اس حسن وخوبصورتی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ قاری معاشرے میں موجود ایسے آدمی کے کردار کو دیکھتے ہی اس کی طرف اشارہ کردیتا ہے کہ یہی ہے جس کے بارے میں قرآن نے وضاحت کی ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کی زندگی محبت و مودت ' خیروسعادت اور طہارت وپاکیزگی سے عاری ہوتی ہے ' اس کی ایک ایک ادا سے ہوشیاری اور چالاکی ' مکاری و ہیرپھیر کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ظاہروباطن میں تضاد نظرآتا ہے اور وہ جھوٹ وملمع سازی کا پلندا ہوتا ہے۔ مگر یہ حالت زیادہ دیر باقی نہیں رہتی اور بہت جلد اس کے مکروفریب اور جھوٹ وبہتان طرازی کی قلعی کھل جاتی ہے اور اس کا گھناؤنا کردار اور مفسد ذہنیت لوگوں کے سامنے نمایاں ہوجاتی ہے۔(۵)

قرآن کریم نے یہودونصاریٰ کی افترابازیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عزیزؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے بیٹے قرار دیا ' جس کے لئے ان کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں تھی۔ یہ محض ان کی موشگافیاں تھیں جس میں ذرہ بھر حقیقت کی آمیزش نہ تھی: (سورہ التوبہ:30)

ایک دوسری آیت میں اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے اور کذب وافترا بازی کو ظلم عظیم کہا گیا ہے اور انہیں ناکامی وخسارے کی وعید دی گئی ہے۔

"**فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اوکذب بایتہ انہ لایفلح المجرمون**" (یونس:17)

اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے' جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی نشانیوں کی تکذیب کی' یقیناً مجرم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔

سورہ آل عمران کی آیت **"یااھل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمون"** (اے اہل کتاب! تم حق کی باطل کے ساتھ کیوں آمیزش کرتے ہو اور حق کو جانتے ہوئے چھپاتے ہو؟) کی تشریح کرتے ہوئے سید قطب نے یہود ونصاریٰ کے کردار پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تورات و انجیل کا علم رکھنے کی بناء پر قرآن میں درج شدہ بشارتوں سے بہ خوبی آشنا تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار لاعلمی کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے پیش نظر اپنے مخصوص ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہود کی پوری تاریخ کمان حق اور صداقت کو چھپانے سے لبریز ہے اور ان کی دست برد سے مسلمانوں کی تاریخ کا قیمتی سرمایہ بھی محفوظ نہیں رہا۔ انہوں نے تاریخ اسلامی میں اپنے ایسے محققین و مورخین کو کھپایا جنہوں نے تفسیر قرآن میں اپنے مقصد و مصلحت کی خاطر اسرائیلیات اور حکایات و واقعات کو شامل کر دیا۔ الحمد للہ ان کے مکر و فریب کے باوجود قرآن کریم کی نصوص ان کی دسترس سے کلیتہً محفوظ رہیں۔ (٦)

قرآن کے مطابق علم و عمل اور قول و فعل لازم و ملزوم ہیں۔ اہل ایمان کو قول و عمل کے تضاد سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

یاایھا الذین امنوالم تقولون مالا تفعلون " (الصف:2)

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تمہارا عمل نہیں ہے۔

مایہ ناز مفسر مولانا عبداللہ یوسف علی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ جنگ احد میں مسلمانوں کی طرف سے اپنے قائد کے حکم کی قدرے خلاف ورزی سرزد ہوئی' جس کی وجہ سے اسلامی فوج کا ڈسپلن ٹوٹ گیا اور اسے کفار کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ جبکہ جنگ سے پہلے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر باتیں کی تھیں مگر باتوں کے مطابق ان کے اعمال میں پختگی نظر نہ آئی۔ دراصل احد کا میدان کارزار مسلمانوں کے لئے بہت بڑی آزمائش ثابت ہوا۔ اس آیت میں اسی دورنگی قول و فعل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (٧)

جھوٹ کی وکالت کرنے والا نمایاں ترین کردار منافقین کا ہے۔ قرآن نے ان کی صحیح ترجمانی کی ہے کہ ان کا دوغلہ پن اور جھوٹی گواہیاں اور من گھڑت باتوں کا پول لوگوں کے سامنے کھلتا رہتا ہے۔ کبھی وہ مسلمانوں کے خیر خواہ بن جاتے ہیں اور کبھی وہ کفار کے چہیتے دکھائی دیتے

ہیں۔

"مذبذبین بین ذالک لاالی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء ومن یضلل اللہ فلن تجدلہ سبیلا" (النساء:143)

منافقین کے کردار کی تفصیل یہ ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت بدخواہ ہیں۔ ہیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی افتاد پیش آئے' کوئی ٹھوکر لگے۔ فتح حاصل ہو تو کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور کہیں دشمن کا پلہ بھاری ہو جائے تو ان کے پاس جاکر انہیں یقین دلائیں گے کہ یہ تو ہماری تدبیر اور منصوبہ بندی تھی' جس کی بدولت تم مسلمانوں سے محفوظ رہے۔ آج یہ ان جھوٹی وکالتوں اور سخن سازیوں سے مفادات اٹھا رہے ہیں' لیکن ایک دن آئے گا کہ تمام بھید بے نقاب ہو جائیں گے او .اللہ ان کے اور مومنوں کے درمیان فیصلہ صادر فرمائیں گے۔

"لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء" یعنی نہ مسلمانوں کے ساتھ نہ کفار کے ساتھ دونوں کے بیچ میں حیران و درماندہ۔ یعنی مسلمانوں کے پاس جاکر ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں' کبھی کفار کے ہاں جاکر ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں' حالانکہ وہ ساتھ کسی کے بھی۔ دو گلوں کے بیچ میں بھٹکنے والے بکری کی مانند کبھی اس گلے میں شامل ہو جاتے ہیں' کبھی دوسرے گلے میں۔ یاد رہے' اگر ہم قرآن کے منافقین کے بارے میں مستعمل تینوں الفاظ' کسالی (سست) یراؤن (ریاکار) اور مذبذبین (ڈانواڈول) کو بیک وقت چشم تصور کے سامنے لائیں تب صحیح تصویر سامنے آئے گی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین نہ صرف اللہ کے بندوں ہی کو دھوکا دے رہے ہیں' بلکہ خدا کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کی دغابازی کی مثال یہ ہے کہ وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو طبیعت پر جبر کرکے مارے بندھے۔ محض اس ڈر سے اٹھتے ہیں کہ اگر شریک جماعت نہ ہوئے تو مسلمانوں کے رجسٹر سے نام ہی خارج ہو جائے گا۔ یہ محض دکھاوے کی نماز ہوتی ہے تاکہ مسلمان ان کو اپنے اندر شامل دیکھیں۔ یہ اللہ کے ساتھ صریحا دھوکہ بازی ہے۔ فرمایا یہ خدا کے راندے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ نے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہو' ان کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے۔(۸)

اگر قلب و نگاہ میں یکسانیت نہ ہو اور انسان کا عمل اس کی زبان کی گواہی نہ دے رہا ہو تو یہ جھوٹ ہی کی قبیح ترین شکل ہے۔ اہل کتاب اس گناہ کے مرتکب ہوتے تھے' قرآن نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون" (البقرہ:44)

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو فراموش کر دیتے ہو' حالانکہ تم کتاب (اللہ کی طرف سے نازل شدہ) کی تلاوت کرتے ہو' کیا تم نہیں سمجھتے؟

سید قطب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب دین کو صنعت و حرفت اور پیشے کے طور پر اپنا لیا جائے اور عقیدے کو قوت محرکہ کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے تو علمائے دین قول و فعل کے تضاد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کو نیکی کی دعوت دیتے ہوئے خود اس سے غفلت برتتے ہیں' الفاظ و کلمات کی اصل مفاہیم و معانی سے ہٹ کر تاویل کرنے لگتے ہیں۔ وہ ارباب اختیار امراء اور بااثر طبقے کی دلجوئی اور خوشنودی کی خاطر قطعی قرآنی نصوص کے ظاہری معنی اخذ کر لیتے ہیں جبکہ ان کے حقیقی معانی اس کے برعکس ہوتے ہیں۔

یہ مرض نہ صرف داعی حضرات کے لئے مہلک ہوتا ہے بلکہ خود تحریک اسلامی کے لئے از حد خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو خوبصورت باتیں سناتے ہیں جبکہ ان کا ذاتی عمل قبیح شکل اختیار کئے ہوتا ہے۔ دراصل اگر کلمہ نور مردہ ہو جائے اور دل کی گہرائیوں میں نہ اترے تو اس سے زبان و عمل کا تضاد سرزد ہوتا ہے۔ قول و عمل میں مناسبت اور عقیدہ و معاملات میں یک رنگی پیدا کرنا آسان کام نہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے محنت و ریاضت' تعلق باللہ اور اللہ سے استعانت طلب کرنا بنیادی شرائط ہیں۔ (۹)

7- حقیقت شناسی:

تحقیق حقیقت شناسی کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ ایک لحاظ سے تحقیق علم کو آگے بڑھانے اور اس کو انسانی تصرف میں لانے کا حسین موقع فراہم کرتی ہے۔ تحقیق حصول علم کے دیگر ذرائع سے زیادہ منظم اور باضابطہ طریق کار کا نام ہے' جس کے اہداف و مقاصد انسان کی خداداد صلاحیتوں کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام بخاری" کا تحقیقی کارنامہ شاندار ماڈل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ" نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو سال بعد' دسویں صدی عیسوی میں احادیث کی ترتیب و تدوین کا عظیم ترین تحقیقی کارنامہ سرانجام دیا۔ امت مسلمہ نے آپ کی مدون کتاب الصحیح البخاری کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" (قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب) قرار دیا۔ امام صاحب نے احادیث نبویہ کی صحت اور جواز سے متعلق مثبت دلائل کا

طریقہ استعمال کیا اور تجزیاتی طریقے سے صحیح بخاری تصنیف کی' نیز تمام ممکنہ احتیاط و حزم اور صراحت و وضاحت کے باوجود اپنی کوشش کے بارے میں حتمی سچائی اور اپنے نتائج کو اغلاط سے یکسر مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔(۱۰)

قرآن کی آیات حقیقتوں پر مشتمل مکمل دستاویز اور مفید دستور حیات ہے یہ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہے' جس کی شہادت اس طرح دی گئی ہے۔

"الم○ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین" (البقرہ:1'2)

الف لام میم' یہ مکمل کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں' پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

چنانچہ ایسی لاریب کتاب پر ایمان لانے والوں میں ایسی ملکہ و صلاحیت پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور و معاملات میں حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ثقہ اور محکم احکام کی پیروی کرتے ہیں' وہم و گمان اور شک و شبہ کا ازالہ کرتے ہیں اور ایمان و ایقان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔ وہ ازلی و ابدی حقیقت پر ایمان لرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ وحی کے یقینی علم اور اس کی بیان کردہ حقائق کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔ دنیا کو عارضی اور آخرت کی زندگی کو مستقل قرار دیتے ہیں۔

"یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون" (البقرہ:4)

وہ اس پر جو آپ ؐ پر اور جو آپ ؐ سے پہلے اتارا گیا' اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس گروہ صدق و صفا کے بالمقابل کفار و منکرین ہیں جو خالق کائنات اور اس کی قدرت کاملہ کا انکار کرتے ہیں' زندگی اپنی خواہشات کے مطابق گزارتے ہیں اور ان کے سینے نور خداوندی اور ہدایت الٰہی سے خالی ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی حقیقت نظر نہیں آتی' کوئی سچائی بھائی نہیں دیتی اور معرفت کی روشنی سے وہ محروم ہوتے ہیں۔ پس وہ آنکھوں کے اندھے' سماعتوں سے محروم اور قوت گویائی سے عاری ہوتے ہیں۔

"ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم" (البقرہ:7)

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے اور ان

کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔
محقق جلد باز نہیں ہوتا' بلکہ وہ بدستور حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے اور صداقت کو اپنا لے۔ کیونکہ باطل اور جھوٹ ہمیشہ باقی نہیں رہتا' باقی رہنے والی صداقت و سچائی ہے۔
"بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذاھو زاھق" (الانبیاء:18)
بلکہ ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں پس وہ اس کا قلع قمع کر دیتا ہے اور باطل ختم ہو جاتا ہے۔
اسی حقیقت کے پیش نظر اہل علم و تحقیق کوئی بات بلا دلیل و حجت نہیں کہتے کیونکہ ایسی بات کی کوئی وقعت و قدر و منزلت نہیں ہوتی اور نہ ہی علمی دنیا میں اسے کوئی وزن دیا جاتا ہے۔
"ومن الناس من یجادل فی اللہ لغیر علم ولا ھدی وولا کتاب منیر" (الحج:8)
اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔

8- یقین کا حصول:

سائنس دان کی کاوشیں عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ بشرطیکہ تحقیق سے قلب کی تربیت ہو رہی ہو۔ یہی تحقیق اس کے دل کی تربیت کچھ اس انداز سے کرتی ہے کہ آخرکار اس کے اندر معرفت الٰہی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے' مگر یہ سب کچھ صرف اور صرف اس وقت ہوتا ہے' اگر تصور خدا کو سائنس کا جزو لاینفک بنا دیا جائے۔(11)
قرآن حکیم میں کچھ لوگوں کا قول نقل ہوا ہے۔ **"ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین"** کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تم کہہ رہے ہو' لگتا ہے کہ ٹھیک کہہ رہے ہو' بات وزنی معلوم ہوتی ہے' لیکن یقین نہیں آتا' اس پر دل نہیں ٹکتا اور ظاہر ہے کہ عمل تو یقین کے تابع ہے' یقین ہوگا تو عمل آئے گا۔ بقول اقبال"

یقیں پیدا کر اے ناداں' یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اسی یقین کا منبع اور سرچشمہ قرآن ہے' جس کی تصدیق خود مغربی مفکرین نے کی ہے۔ نیوز ویک کے ایک مضمون "اجنبی یورپ" کے وقائع نگار کرسٹو فرڈکی نے آخر میں جو نتیجہ نکالا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "ہمارے شہروں میں بسنے والے مسلمان مہاجرین کو ہم خود

یہاں لائے ہیں' اب ان کا یہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔ یہ اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں۔ یہ ایک غالب عنصر ہیں' تہذیبوں کے تصادم میں مسلمان تہذیب مارکیٹ کی تہذیب ہے اور مارکیٹ میں وہی چیز مقام بناتی ہے جو اعلیٰ ہو' یہ یورپ کے مستقبل کی تہذیب ہے اور یہ یورپ کا آئندہ دین ہے۔ یورپ کا چہرہ بدل رہا ہے اور مستقبل میں یہ چہرہ ایک اسلامی چہرہ ہوگا۔" (۱۲)

دراصل اسلام کا عطا کردہ صراط مستقیم ہی حصول یقین کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ اصحاب کہف نے اسی کی دعا کی تھی:

"وھیئی لنا من امرنا رشدا" (الکھف:10)

اور ہمیں اپنے معاملے میں سے سیدھے راستے کی ہدایت کا سامان میسر کر۔

اسی طرح سورہ الفاتحہ میں تمام اہل ایمان کو بھی اسی سیدھی راہ کی دعا یوں سکھائی گئی ہے:

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" (البقرہ:5'7)

ہمیں سیدھی راہ دکھا' ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا' نہ ان کی جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کی جو گمراہ ہوگئے۔

ایک دوسری آیت میں مسلمانوں کو عبادت کے عمل کو یقینی کیفیت کے حصول تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" (الحجر:99)

اور تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو حتیٰ کہ تمہیں یقین حاصل ہو جائے / یہاں تک کہ تم موت سے دوچار ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما اوحی الی ان اجمع المال واکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربک وکن من السجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" کہ میری طرف یہ نہیں وحی کیا گیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ یہ بتایا گیا کہ میں اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تعریف کروں سجدہ کرنے والوں سے ہو جاؤں اور تاقیامت اس کی عبادت کرتا رہوں۔ (۱۳)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے فقہاء کرام اور مفسرین عظامؒ نے بھی ایمان کو ایقان و یقین کا مترادف وہم معنی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہاء نے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے "اقرار باللسان وتصدیق بالقلب وعمل بالجوارح" کے کلمات استعمال کیے ہیں جس کا مطلب ہے'

زبانی اقرار ' قلبی تصدیق اور جسمانی اعضاء کی وساطت سے اس کے مطابق عمل کرنا ایمان ہے۔
علامہ اقبال ؒ نے خوب کہا ہے:

یقین محکم ' عمل پیہم ' محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

9- خبر کی تصدیق:

تحقیق کی روح اور جان تو یہی ہے کہ حقائق کی تلاش کی جائے اور اچھی طرح جانچ پڑتال اور چھان بین کی جائے اور وہ بلاشبہ نامکمل ہے اگر تعبیر و تشریح کے ساتھ نہ ہو یا بہ الفاظ دیگر اگر اس کے ساتھ تجزیہ و تنقید نہ ہو ' تاہم حقائق کی تلاش کی خود اپنی اہمیت ہے قدیم ہو یا جدید ' تحقیق ایک انداز فکر کے اثر سے پروان چڑھتی ہے ' جو ہمیں شی کی حقیقت اور حکمت جاننے کی طرف مائل کرتا ہے اور بیانات یا امور کی اصلیت کی کھوج لگانے پر آمادہ کرتا ہے یہی علم کا منبع ہے ' یہی اس کی توسیع یا اضافے کا وسیلہ۔ اس انداز فکر کی جھلک ہمیں مسلمانوں کی تاریخ کے آغاز ہی میں مل جاتی ہے۔(۱۴) اس کی تفصیل راقم الحروف کی دوسری کتاب "تحقیق کے اصول وضوابط ' احادیث نبوی کی روشنی میں" درج کردی گئی ہے۔

واقعات کی صحت معلوم کرنے کا اصول خود قرآن کریم نے یہ کہہ کر قائم کر دیا ہے کہ جب کوئی فاسق خبر لائے ' اچھی طرح چھان پھٹک کر لیا کرو۔

"یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالہ فتصبحوا علی مافعلتم ندمین" (الحجرات:6)

اس آیت مبارکہ میں تحقیق کرنا ' بات کو جانچنا ' سچائی تک رسائی حاصل کرنا ' پرکھنا ' جاننا اور سمجھنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور تحقیق کی ضد کو جہالت کا نام دیا گیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہالت اور نادانی سے بچنے کے لئے حقیقت کی تلاش فرض ہے تاکہ بعد میں ندامت و شرمساری سے دوچار نہ ہونا پڑے اور اس کے دیگر تباہ کن اثرات نمودار نہ ہوں۔ اس قسم کی تحقیق اور چھان بین نہ کرتے ہوئے محض زبانی باتوں پر یقین کرلینا گمراہی ہے۔

تاریخ اسلامی کے مایہ ناز محقق مورخ علامہ ابن خلدون ؒ اس موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے چند ایک بنیادی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ متعدد مصادر وماخذ کا پتہ چلا جائے۔ مختلف علوم سے واقفیت حاصل کی جائے اور مورخ فکر

صحیح اور گہری نظر بھی رکھتا ہو کہ اس کے ذریعہ وہ حق و صداقت کی راہ پا سکے اور لغزشوں اور اغلاط سے دامن بچا سکے۔ کیونکہ اخبار میں اگر محض نقل پر کوتاہ نظری سے کام لیا جائے اور اصول عادت' قواعد سیاست' طبیعت تمدن اور انسانی معاشرے کے حالات کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو لغزش قدم سے محفوظ رہنا مشکل ہو گا۔ چنانچہ اکثر مورخین' مفسرین اور ناقلین' نقل حکایات و وقائع میں غلطیوں کا شکار ہو گا۔ محض اس لئے کہ انہوں نے صرف نقل پر اعتماد کیا' خواہ وہ قابل رد تھا یا قابل قبول اور ان کو اصول تحقیق پر نہ پرکھا' نہ ان کے تشابہات پر قیاس کیا' نہ معیار حکمت اور طبائع کائنات و قوانین فطرت کی کسوٹی پر ان کو جانچا اور نہ ہی اخبار و معلومات کی صحت و عدم صحت' صداقت و کذب اور ثقاہت و صنعت کا خیال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ راہ راست سے بھٹک گئے اور وہم و خطاء کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔ گزشتہ غلطیوں اور لغزشوں کا ازالہ کرنے اور روشن مستقبل کے حصول کی خاطر ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام اخبار' واقعات اور معلومات کو اصول و قواعد پر پرکھا جائے اور انہیں تحقیق و تنقیح کی چھلنی سے گزارا جائے۔(۱۵)

معراج النبوی ؐ کے واقعات و مشاہدات کو ذات باری نے یقینی خبر اور عینی مشاہدہ قرار دیا ہے اور صداقت و سچائی کا عظیم مظہر قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ النجم نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے اور قلبی یقین سے تعبیر کیا ہے:

"ماكذب الفواد مارای" (النجم:11) دل نے جو کچھ آپ ؐ نے دیکھا اسے جھٹلایا نہیں۔

دوسری جگہ دیکھنے کی کیفیت کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے' جس میں دیکھنے والے کی مکمل توجہ کا ذکر کیا گیا ہے اور عظیم آیات الہیہ کے نظارے کا عالم دیدنی ہے: **"فاوحی الی عبده مااوحی○ مازاغ البصر وماطغی○ لقد رای من ایات ربه الکبری○"** (النجم:17'18)

یعنی اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنا چاہی نہ آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ جھپکی' یقیناً آپ ؐ نے اپنے پروردگار کی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔

صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق معراج کے واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لیا اور بیت المقدس کے بارے میں کئی ایک سوالات کئے۔ آپ ؐ کے سامنے وہ تمام منظر پیش کر دیا گیا اور آپ ؐ دیکھ کر ان کے جواب دیتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ ؐ نے قریش کے قافلہ تجارت کی وادی میں آمد اور ایک اونٹ کے گم ہونے کے متعلق بھی بتایا۔ مگر تصدیق کر لینے کے باوجود بھی وہ اسلام نہ لائے' دوسری طرف جب حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو آزمانے کے لئے کفار

نے یہ واقعہ بتایا تو انہوں نے صرف یقین کر کے کہ واقعی یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ بلاچون وچرا اس کی تصدیق کر دی۔

قرآن حکیم نے ایک دوسری آیت میں مثبت اور منفی دونوں کو بیک وقت بیان کرتے ہوئے' کفار کے آباء و اجداد کی داستانوں کو بلا دلیل قرار دیا ہے اور اس کے برعکس ہدایت الٰہی کو مثبت اور مفید حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔

"ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم واباوکم ما انزل اللہ بھا من سلطن ان یتبعون الا الظن وماتھوی الانفس ولقد جاء ھم من ربھم الھدیO"

(النجم:23)

یہ محض نام ہیں جو تمہارے اور تمہارے آباء نے دے رکھے ہیں' اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری' یہ لوگ محض ظن و گمان اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں' جبکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

اسی سورت کی پہلی آیات میں مشرکین مکہ کے بناوٹی بتوں لات' عزیٰ اور منات کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا بطلان اسی آیت کے ذریعہ کیا گیا کہ ان کے پاس انھیں خدائی اختیارات سپرد کرنے کی کوئی واضح دلیل و برھان نہیں ہے۔

رھبانیت اور ترک الدنیا کے بارے عرصے سے بہت بڑی غلط فہمی اور بد اعتقادی پائی جاتی تھی اور عام آدمی اس طریقہ زندگی اور اسلوب عبادت کو اسلام کا جز سمجھ بیٹھتا تھا۔ چنانچہ قرآن نے اس کا صحیح پس منظر اور مقصد و حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام کی تعلیمات میں سرے سے ایسی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ یہ تو نصاریٰ کے ایک گروہ کا تقرب الی اللہ اور رضائے خداوندی کا ذریعہ خیال کرتے ہوئے شروع کردہ منہج ہے' جسے وہ صحیح طور پر نبھا نہ سکے اور اس کے اصل مقصد کو فراموش کر بیٹھے۔ ان کے برخلاف جن اہل ایمان نے درست اسلامی طریقہ عبادت اپنایا' وہ انعام الٰہی کے حقدار قرار پائے۔ قرآنی ارشاد ہے:

"ورھبانیۃ ابتدعوا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا فاتینا الذین امنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فاسقون"

(الحدید:27)

اور رہبانیت انہوں نے (خود) ایجاد کر لی' ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا مگر انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی طلب میں (یہ بدعت ایجاد کر لی) لیکن جب اس کو نباہنا چاہیئے تھا نہ نباہ

سکے۔ تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر عطا کیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہی نکلے)(۱۶)

یاد رہے کہ رہبانیت، تارک دنیا بن جانا اور لوگوں سے دور پہاڑوں یا جنگلوں میں زندگی بسر کرنا اور دنیا کی سب جائز لذتیں اپنے اوپر حرام کر لینے کا نام ہے۔ یہ مسلک ترک دنیا شریعت ربانی کا جزء ہرگز نہ تھا۔ تمام تر ایک انسانی اختراع تھی اور اگرچہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اختیار کیا گیا تھا، لیکن بدعت ہر حال میں بدعت تھی، نباہ اس کا نہ کر سکے۔ رہبانیت کی ساری تاریخ خود عیسائیوں کے قلم کی لکھی ہوئی ایک بڑی حد تک فسق و فجور ہی کی تاریخ ہے۔ قرآن مجید نے حکیمانہ انداز کے ساتھ صرف اشارہ کیا اور حقیقت سے پردہ کشائی کی، تاکہ تاریخ انسانی کا ریکارڈ درست رہے۔(۱۷)

10- ایمان کا امتحان:

تحقیق مکمل طور پر منطقی طریق کار ہے، اس میں اندازے اور گمان کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میدان تحقیق میں محنت و مشقت، طلب و تفتیش اور پرکھ و جانچ پڑتال بنیادی عوامل قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح مشاہدے اور دیگر اسالیب تحقیق کے ذریعہ اخذ کردہ نتائج کو قابل فہم ترتیب و تنظیم کے ساتھ جمع کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ حاصل کردہ سائنسی نتیجے کو پھر ہم ایک مستقل علمی حقیقت گردانتے ہیں۔ گویا وہ تمام تر دریافتیں جو کہ مختلف مشاہدات سے عمل میں آتی ہیں، انہیں ہم علمی حقائق کہتے ہیں۔ یقیناً یہ حقیقتیں علم و یقین کی روشنیاں ہیں جو انسانی منزل کا پتہ دیتی ہیں لیکن اس کے بعد جانچ پڑتال جائزہ و تحصیل اور امتحان و آزمائش کا مقام ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اسی چیز کو ایمان و ایقان کے امتحان کا نام دیا جاتا ہے۔(۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا امتحان اللہ تعالیٰ نے لیا، جس کے تحت وہ تمام آزمائشوں میں پورا اترے۔ دعوت و تبلیغ دین اور اقامت دین کی خاطر انہوں نے اپنے والدین، گھربار اور وطن کو ترک کر کے "وادی غیر ذی زرع" مکہ کی سنگلاخ سرزمین پر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا۔ صاحبزادے قدرے بڑے ہوئے تو انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم ملا۔ دونوں باپ بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا۔ "**فلما اسلما وتله للجبین**" جب دونوں نے مکمل اطاعت و سپردگی اختیار کی اور بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر قربان کرنے کے لئے لٹا دیا "**قد صدقت الرویا**" واقعتاً تم نے خواب کو سچ کر

دکھایا۔

توحید کا پرچار کرنے اور بتوں کو توڑنے کے الزام پر بادشاہ وقت کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی چتا میں ڈال دیا۔ آپ نے اس حالت میں بھی اللہ کا شکر کیا اور صبر و استقامت دکھائی۔ اللہ نے آگ کو سرد ہونے اور باعث سلامتی ہونے کا حکم صادر فرمایا: **"قلنا یانار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم"** کہ ہم نے کہا: اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔

آج بھی ہو گر ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایمان کی آزمائش میں پورا پا کر انہیں امامت وسیادت اور قیادت و پیشوائی امت مسلمہ کے حسین منصب پر فائز کر دیا اور ان کی عظیم ہستی کو روشنی کا مینار قرار دیا۔ جس کی گواہی قرآن حکیم نے یوں پیش کی:

"واذا ابتلی ابراھیم ربه بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین (البقرہ:124)

اور جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند کلمات سے آزمایا تو اس نے وہ پورے کر دیئے۔ اللہ نے فرمایا: یقیناً میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنا رہا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے؟ اللہ نے فرمایا: میرا وعدہ ظلم کرنے والوں تک رسائی نہیں کرے گا۔

ہجرت مدینہ کے بعد اسلامی سلطنت مدینہ کے سیکورٹی انتظامات کے پیش نظر مکہ اور دیگر شہروں وغیرہ سے ہجرت کرکے آنے والی مومن خواتین کے امتحان لینے کا حکم دیا گیا۔

"یاایھا الذین امنوا اذا جاء کم المومنت مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن" (الممتحنہ:10)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کی آزمائش کرو' (ویسے تو) اللہ ان کے ایمان کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

اہل ایمان کی آزمائش کے مختلف طریقے ہیں' جن میں بھوک' افلاس' غربت اور دشمن وغیرہ کا خوف طاری کرنا ہے۔ ان تمام آزمائشوں کے دوران صبر کرنے والوں اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" یقیناً ہم بھی اللہ کی امانت ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے' کہنے والوں کو (جنت کی) بشارت دی گئی ہے۔

"ولنبلونكم بشيئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصبرين○ الذين اذا اصابتهم مصيبه قالوا انا لله وانا اليه راجعون○ اولئك عليهم صلوت من ربهم ورحمه واولئك هم المهتدون○" (البقرہ155'156)

اور ہم ضرور تمہیں قدرے ڈر' بھوک' مال و جان اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو' جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: یقیناً ہم اللہ کے ہیں اور یقیناً ہم اس کی طرف واپس جائیں گے۔ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے سلام اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کے ایمان کی آزمائش کا حکم دیا گیا اور اس آزمائش پر پورا اترنے والوں کو مسلمانوں کی طرف حقوق فراہم کئے گئے ہیں۔

"یاایها الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا فعند الله مغانم کثیرۃ" (النساء:94)

اے اہل ایمان! جب تم اللہ کی راہ میں چلو' تو تفتیش کر لیا کرو اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو: تو مومن نہیں' تم دنیاوی سامان کے طلبگار ہو' پس اللہ کے ہاں بہت سا مال غنیمت ہے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو سخت آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اس موقع پر انہیں تسلی دیتے ہوئے بتایا گیا کہ وقت بدلتا رہتا ہے بدر میں تمہارا پلہ بھاری رہا اور احد میں تمہیں نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ اس قسم کے امتحانات کے ذریعہ مسلمانوں کو آزماتا ہے تاکہ مومن' منافق' کافر اور ظالم گروہ کھل کر سامنے آجائیں۔

"ان یمسسکم قرح فقدمس القوم قرح مثله وتلک الایام نداولها بین الناس ولیعلم الله الذین امنوا ویتخذ منکم شهداء والله لایحب الظلمین○ ولیمحص الله الذین امنوا ویمحق الکفرین" "آل عمران: 140'141)

اگر تمہیں زخم آئے ہیں تو انہیں بھی اسی طرح زخم آئے ہیں اور یہ دن ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ اہل ایمان کو پرکھے اور تم میں سے گواہ حاصل کرے اور

اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو آزمائے اور کافروں کا قلع قمع کرے۔

11- حاصل بحث:

باب اول میں مذکورہ بحث سے ہم بہ آسانی مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرسکتے ہیں:

- تحقیق ایک مستقل عمل ہے جو علم کی دریافت جاری رکھتا ہے۔
- وہم و گمان کی تحقیقی عمل میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔
- دل و نگاہ کی یگانگت اور دیانت و انصاف تحقیق کے بنیادی اصول ہیں۔
- کذب و افتراء کی بجائے تحقیق کی عمارت یقین و معرفت کی محکم بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔
- افواہوں سے احتراز کرنا چاہئے اور اخبار کو معلومات کا درجہ دینے سے پہلے ان کی جانچ پڑتال ضروری ہے۔
- ایمان کی طرح تحقیق کے امتحان کو پاس کرنے کے لئے محنت و جانفشانی اور جرات واستقامت کی حسین قدروں سے متصف ہونا ایک لازمی امر ہے۔
- تحقیق کا مفہوم معلوم کرلینے کے بعد آئندہ باب میں تحقیق کے اغراض ومقاصد کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

○ ○ ○

دوسرا باب

تحقیق کے اغراض و مقاصد

تحقیق معاشرے اور انسانیت کی بے لوث خدمت سے ترکیب پاتی ہے' ذاتی لالچ و خود غرضی اور نفسانی خواہشات جیسی ادنیٰ اغراض تحقیق کے صاف و شفاف آئینے کو میلا کر دیتی ہیں۔ یہ ایک وسیع اور فراخ علمی جولاں گاہ ہے' جس میں انفرادیت پر اجتماعیت غالب آجاتی ہے اور پورے معاشرے میں امن و امان اور سکون و سلامتی کا قیام تحقیق کا مقصد اولیں قرار پاتا ہے' انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے سے تلاش کار میں جذبہ تسلیم و رضائے الٰہی جنم لیتا ہے۔ وہ معرفت الٰہی جیسی قریب ترین حقیقت کا ادراک کرتا ہے اور اسی پر توکل و اعتماد کرتا ہے' اخلاقی قدروں سے اس کی سیرت مزین ہوتی ہے اور قدرت کی طرف سے اسے ایسا نور بصیرت عطا ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنا سفر تحقیق جاری رکھتا ہے۔ اس پر تحقیقی کام کی دھن اس طرح سوار ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا وماوراء سے بے نیاز ہو کر امر ہو جاتا ہے اور علمی و فکری دنیا اس کے تحقیق کے دیرپا اثرات سے مستفید ہوتی ہے۔

تو خاک میں اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام بنے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ' تعمیر نہ کر

مذکورہ بالا اعلیٰ انسانی اقدار' عظیم اخلاقی بنیادیں اور خوبصورت معاشرتی مقاصد اس باب کے عنوانات ہیں' جن سے قرآنی آیات اور رحمانی بینات ہم آہنگ و ہمرکاب نظر آتی ہیں۔ ذیل میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

1- رشد و ہدایت:

تحقیق انسانی حسنات' اعمال خیر اور نیکی کے معاملات میں اعلیٰ درجے کی حامل ہے۔ یہ ایک بے غرض کام ہے جس سے انسانی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ چنانچہ پروردگار عالم محقق کو اپنی طرف سے خصوصی ہدایت و راہنمائی سے نوازتا ہے۔

تحقیق مثبت جذبوں سے پروان چڑھتی ہے اور اس کے نتائج و ثمرات سے پوری انسانیت

فیض یاب ہوتی ہے' کیونکہ در تحقیق ہمیشہ تمام انسانوں کے لئے کشادہ رہتا ہے اور حسب استطاعت و ذوق لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں' قرآن کی خوبیوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

"هذا بيان للناس وهدى وموعظة للمتقين" (آل عمران:138)

یہ لوگوں کے لئے واضح (لائحہ عمل) اور ہدایت ہے اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

سورہ البقرہ کی پہلی ہی آیت میں قرآن کی حقانیت و سچائی بیان کرتے ہوئے اسے پرہیزگار انسانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا عظیم سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔

"الم○ ذالك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين" (البقرہ:1'2)

الف لام میم یہ ایک شک سے بالاتر کتاب ہے جو پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

تلاش کار حقیقت کا متلاشی ہوتا ہے جسے وہ علم و معرفت کی روشنی اور ہدایت خداوندی کے نور میں پالیتا ہے اس کے افکار و خیالات میں طہارت اور اعمال میں حسن و نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کا موازنہ کفر کے ظلمت کدے میں پھنسے ہوئے انسان سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح آشکار کیا ہے:

"اومن كان ميتا فاحييته وجعلناله نورا يمشي به في الناس كمن مثله في الظلمت ليس بخارج منها" (الانعام:122)

کیا وہ جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے ایسی روشنی عطا کی' جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے' اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے' جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتا۔

عمل تحقیق کے مختلف مراحل تکمیل میں محقق کو سمع و بصر' دل و نگاہ اور شعور و آگہی کی تمام صلاحیتوں کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور انہیں غلط افکار و خیالات کی آلودگی سے پاکیزہ رکھنا ہوتا ہے ورنہ تحقیق کی منزل بعید سے بعید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ ہدایت الٰہی کا کرشمہ ہوتا ہے' جیسا کہ قرآن میں ہے:

"فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام ومن يرد ان يضله يجعل صدره ضيقا حرجا كانما يصعد في السماء كذلك يجعل الله الرجس على الذين لايومنون○ وهذا صراط ربك مستقيما قد فصلنا الايت لقوم يذكرون○" (الانعام:125'126)

پس جسے اللہ ہدایت دینا چاہے' اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہے' اس کے سینے کو تنگ اور تکلیف دہ بنا دیتا ہے' ایسے جیسے وہ آسمان پر چڑھ رہا ہو' اسی طرح اللہ پلیدگی کو ایمان نہ لانے والوں پر ڈال دیتا ہے اور یہ تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ تحقیق ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

2- علم کی ثقاہت:

یہ حقیقت ہے کہ مضبوط فکر' ثقہ علم اور محکم حکمت و معرفت' فن تحقیق کی پختہ کاری کو جنم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے علمی ثقاہت اور ایمان وایقان کو ایک ساتھ بیان کرتے ہوئے حاملین علم اور زیور ایمان سے آراستہ گروہ کے لئے اجر عظیم کا وعدہ دیا ہے کیونکہ وہ وحی خداوندی اور کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں' یاد الٰہی کے لئے اللہ کے حضور مستقل سجدہ ریزی کرتے ہیں۔ غرباء و مساکین اور دیگر مستحق افراد کو زکوۃ کا مال سپرد کرتے ہیں اور کائنات ارضی و سماوی کی عظیم ترین حقیقت ذات باری اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔

"لکن الراسخون فی العلم منهم والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ والمؤمنون باللہ والیوم الاخر اولئک سنؤتیهم اجرا عظیما" (النساء:162)

لیکن ان میں سے پختہ علماء اور مومن جو تم پر اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ و یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں' ان کو ہم عنقریب بہت بڑا اجر دیں گے۔

علم وہ بڑی حقیقت ہے جسے پروردگار نے کفار کو چیلنج کرتے ہوئے ایک دلیل کے طور پر طلب فرمایا ہے اور اس کو معیار صداقت ٹھہرایا ہے:

"نبئونی بعلم ان کنتم صدقین" (الانعام:143)

تم مجھے کسی علمی حقیقت پر مبنی خبر دو' اگر تم سچے ہو۔

ایک دوسری آیت میں بھی علم کا مطالبہ کیا گیا ہے اور ان کے وہم و گمان پر مبنی اعتقادات کی تردید کرتے ہوئے پروردگار کی طرف سے وحی الٰہی کو ایک موثر حجت کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"قل هل عندکم من علم فتخرجوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم

الا تخرصون O قل فلله الحجه البالغه فلوشاء لهدکم اجمعین" (الانعام:148' 149)

کہہ دیجئے! کیا تمہارے کوئی علم ہے؟ (اگر ہے) تو ہمارے سامنے لاؤ۔ تم محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور صرف اٹکل پچو لگاتے ہو۔ کہہ دیجئے! پس اللہ کے پاس موثر دلیل ہے' سو اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہدایت سے نواز دے۔

قرآنی قصص کے بارے میں قرآن نے خوب صراحت سے کام لیتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ علم پر مبنی ہیں اور عینی گواہی کی اساس پر ذکر کیے گئے ہیں' جو کہ تحقیق کی خوبی ہے:

"فلنقصن علیهم بعلم وماکنا غائبین" (الاعراف:7)

پس ہم ان کے سامنے علم پر مبنی (واقعات وحکایات) بیان کرتے ہیں اور ہم (واقعات کی جگہ سے) غیر حاضر نہیں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ مکتوب دستاویز عطا فرمائی تھی' جس کی کتابت تختیوں پر کی گئی تھی اور جس میں اللہ سے ڈرنے والے انسانوں کے لئے ہدایت و رحمت خداوندی کا سامان موجود تھا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر سے واپس آئے تو قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھ کر ناراض ہو گئے اور اس دستاویز کو بھی ایک طرف رکھتے ہوئے ان پر برس پڑے اور ان سے سختی کے ساتھ باز پرس کرنے لگی۔ بعد میں غصہ ٹھنڈا ہونے پر اس علمی دستاویز کو ان کے سامنے ایک ناقابل تردید حقیقت اور سرچشمہ' رشد وہدایت کے طور پر پیش فرمایا۔

"ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختها هدی ورحمه للذین هم لربهم یرهبون" (الاعراف:154)

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ سرد ہوا' انہوں نے (تورات کی) تختیوں کو پکڑ لیا' جن کے نسخوں میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی۔

3- علم کا نور بصیرت:

چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو علم ہمیں ایسا نور بصیرت عطا کرتا ہے جو ہمارے قلب کو منور کر دیتا ہے' ہمارے اندر ایسا ملکہ وصلاحیت پیدا کرتا ہے کہ ہم انسانی معاشرے کے مسائل ومشکلات کا بہ خوبی فہم وادراک حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے حل تلاش کرنے میں آسانی رہتی

ہے۔ شعبہ تحقیق بھی نور علم سے اکتساب فیض کرتا ہے اور اپنے آنگن کو روشن کرلیتا ہے، کیونکہ تحقیق ایک کٹھن اور جان جوکھوں کا کام ہے جس کے لئے نورانی بصیرت اور مومنانہ فراست کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اہل علم اور جاہل لوگوں کی ایک بڑی خوبصورت مثال دے کر یہ حقیقت اپنے قارئین کے ذہن نشین کرائی ہے کہ علم کے حاملین دیدۂ بینا کے ساتھ ساتھ نور بصیرت سے بھی آراستہ ہوتے ہیں جن کی بدولت ظلمت کدۂ انسانیت بقعہ نور بن جاتا ہے اور زندگی کے تاریک راستے روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"قل هل يستوى الاعمى والبصيرام هل تستوى الظلمت والنور"

(الرعد:16)

کہہ دیجئے! کیا اندھا اور بینا برابر ہیں؟ یا تاریکیاں اور روشنی یکساں ہو سکتی ہے؟

کفر کی تیرگی اور اندھیرے کی قرآن کریم نے ایک اور خوبصورت تمثیل بیان کی ہے۔ اسے گہرے سمندر کے پانی میں پائی جانے والی تاریکی سے مثال دی گئی ہے جس کے اوپر بادلوں کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہوں، یہاں تک اپنا ہاتھ دکھائی نہ دیتا ہو۔ واقعی اصل نور وہی ہے، جو اللہ کی طرف سے عطا کیا جائے۔ قرآنی آیت ہے:

"او كظلمت فى بحر لجى يغشه موج من فوقه سحاب ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج يده لم يكد يرها ومن لم يجعل الله له نورا فماله من نور" (النور:40)

یا ان تاریکیوں کی طرح جو گہرے سمندر میں ہوتی ہیں، اسے پانی کی لہریں ڈھانپے ہوتے ہوں، جس کے اوپر بادل ہو، تہ بہ تہ تاریکیاں ہوں، جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ پائے اور جسے اللہ نور نہ دے، اسے روشنی نہیں ملتی۔

ایک اور آیت میں کفار کو مردہ کہا گیا ہے، کیونکہ وہ احساس و شعور اور فطری حس دونوں سے عاری ہیں اور آخرت کی ابدی زندگی کا ادراک نہیں رکھتے۔

"اموات غير احياء وما يشعرون ايان يبعثون" (النحل:21)

(یہ کفار) مردے ہیں، زندہ نہیں ہیں اور انہیں یہ شعور بھی نہیں کہ انہیں کب (روز قیامت) اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم کے نور بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا، اسی لئے

وہ بتوں کی عبادت کو حرام قرار دیتے تھے اور رہنے والوں کو اس سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے تاکہ اس پر صراط مستقیم واضح ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"اذ قال لابیہ یابت لم تعبد مالا تسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاO یا ابت انی قدجاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطا سویاO" (مریم:42'43)

جب اس (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا: "اے میرے والد! تو اس چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے جو نہ سنتی ہے ' نہ دیکھتی ہے اور تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے ' اے میرے والد! یقیناً میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے۔ پس تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

قرآن علم وحی کا عظیم شہ پارہ ہے۔ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کفار مکہ اور یہود وہنود سبھی اس جیسی آیات لانے سے عاجز تھے۔ اس اعتبار سے قرآن ایک علمی معجزہ ہے جو محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ قرآن کریم نے مخالفین کو علمی چیلنج دیتے ہوئے کہا:

"ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریت وادعو من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین" (ھود:13)

کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے! کہ تم اس جیسی دس گھڑی ہوئی آیات لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو (اپنی مدد کے لئے) بلا لو اگر تم سچے ہو۔

4- اہل علم کے اعلیٰ درجات:

علم کا نقطہ عروج (Climax of knowledge and wisdom) یہ ہے کہ انسان اللہ کا عاجز بندہ بن جاتا ہے اور اس کی عظمت و کبریائی کا ادراک واحساس اسے اپنے اعلیٰ وارفع مالک کے سامنے جبین نیاز جھکانے کی راہ بتاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی مشاہدہ ومطالعہ ' غور و فکر ' علم کے حصول اور نتیجہ خشیت الٰہی کے مقام تک مراحل کی تعلیم دی گئی ہے۔(١٩) دوسری طرف پروردگار علم کے طلبگار اور معرفت کے متلاشی انسان کو عظیم مرتبے پر سرفراز کر دیتا ہے ' اسے ادب واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے عزت وبرتری کے حسین جذبات جنم لیتے ہیں۔

اور وہ اپنی مشکلات و مسائل کے بارے مشورہ کرنے کے لئے ان سے رجوع کرتے ہیں۔ اگرچہ معاشرے میں دوسرے پیشے بھی عزت و جاہ اور مرتبہ و منصب کے حامل ہوتے ہیں لیکن سبھی اہل علم کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

"والذین اوتوا العلم درجت واللہ بما تعملون خبیر" (المجادلہ:11)

اور جنہیں علم دیا گیا ہے' ان کے (بلند) درجات ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی تحریر کردہ وثائق و معلومات اور ان کے قلم کی قسم کھا کر ان کے مرتبے و منصب کو مزید اجاگر فرمایا ہے۔ "ن والقلم ومایسطرون" (القلم:1)

نون اور قسم ہے قلم اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔

دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں علماء و محققین کی عزت افزائی کی جائے گی اور اللہ کی پسندیدہ جنت سے نوازا جائے گا۔ جبکہ کفر کی ظلمتوں کا شکار ہونے والے لوگوں کو آخرت میں بھی ذلت و رسوائی اور ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قرآن میں ہے:

"قال الذین اوتوا العلم ان الخزی الیوم والسوء علی الکفرین" (النحل:27)

اہل علم (روز قیامت) کہیں گے' یقیناً رسوائی اور عذاب آج کفار کے لئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بنی اسرائیل کی قیادت عطا کرتے وقت اسے جسمانی قابلیت اور علمی اہلیت وصلاحیت سے سرفراز کیا تھا' اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی علم اور فن تاویل اور حاکمیت واقتدار سے نوازا تھا۔ گویا اللہ کے نزدیک علم و اقتدار کو اکثر اوقات یکجا کر دیا گیا ہے' کیونکہ اقتدار اگر علم و معرفت اور حکمت و دانائی کے بغیر ہو تو جہالت و چنگیزی ثابت ہوتی ہے' جس طرح علامہ اقبال نے بجا فرمایا ہے:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

فرمان خداوندی ہے:

"ولما بلغ اشدہ اتینٰہ حکما وعلما وکذلک نجزی المحسنین" (یوسف:22) اور جب وہ (یوسف علیہ السلام) جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں اقتدار اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی اللہ کریم نے سلطنت و حکومت اور علم و حکمت

کی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ سورہ الانبیاء میں قرآن نے ان کے ایک فیصلے کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کے بارے حضرت عبداللہ بن مسعود مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے انگوروں کے باغ کو کسی چرواہے کی بکریوں نے اجاڑ ڈالا۔ مقدمہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں لایا گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشورے سے یہ فیصلہ صادر کیا گیا کہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں اور باغ چرواہے کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کے فرائض سرانجام دے' جب باغ اپنی اصلی حالت پر آجائے تو باغ کے مالک کو لوٹا دیا جائے اور چرواہے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جائیں۔(۴۰)

قرآن کریم میں ہے:

"وداود و سلیمن اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شهدین○ ففهمناها سلیمن وکلا اتینا حکما وعلما" (الانبیاء:78'79)

اور حضرت داؤد اور سلیمان جب کھیتی کے بارے فیصلہ کر رہے تھے' جس وقت اس میں کسی گروہ کی بکریوں نے اجاڑا کیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ پر گواہ تھے۔ پس ہم نے سلیمان علیہ السلام کو (فیصلہ) سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے اقتدار اور علم سے نوازا۔

5- علم کی کرشمہ سازیاں:

جس طرح معاشرہ تحقیق کے ثمرات و نتائج سے مستفید ہوتا ہے اسی طرح علم و معرفت کے کمالات اور کرشمہ سازیوں سے اہل دنیا کو اپنے مسائل حل کرنے میں مدد ملتی ہے چنانچہ قرآن کریم نے علم و حکمت کے ستاروں کو آسمان دنیا پر چمکتے ہوئے دکھایا ہے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پروردگار نے نبوت و حکمرانی اور علم و حکمت اور معرفت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ وہ انسانوں کے اور جنوں دونوں کے سردار اور حکمران تھے اور دونوں مخلوقات کے معاملات سے خوب آگاہ تھے۔ ان پر اللہ کے لاتناہی انعامات تھے' یہاں تک کہ انہیں پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی سکھائی گئی تھیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"وورث سلیمن داود وقال یا ایها الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ ان هذا لهو الفضل المبین" (النمل:16)

اور سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث قرار پائے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر چیز کے علم سے نوازا گیا ہے۔ یقیناً یہ اللہ کا واضح فضل ہے۔

سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کو لیکر کسی مہم پر جارہے تھے راستے میں انہوں نے چیونٹیوں کی سردار کو اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے سنا' وہ کہہ رہی تھی' تم سب اپنے اپنے بلوں اور سوراخوں میں گھس جاؤ' کہیں تم کو حضرت سلیمان کا لشکر روندنہ ڈالے۔ اس پر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کے خاندان پر کتنے انعام واکرام کیے ہیں۔

"حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملہ یایھا النمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن وجنودہ وھم لا یشعرون ○ فتبسم ضاحکا من قولھا وقال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صلحا ترضاہ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین ○"
(النمل: 18'19)

یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں آئے' (سردار) چیونٹی نے کہا: "اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں روندنہ ڈالیں اور انہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ پس سلیمان علیہ السلام اس کی بات سے مسکرا کر ہنسے اور کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں اپنے اور اپنے والدین پر تیری نعمتوں کا شکر ادا کرسکوں اور نیک اعمال کروں جنہیں تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر دے۔

تیسرے واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سفر کے دوران ھدھد پرندے کو نہ پاکر اس کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں اور ناراضگی کے عالم میں اسے بلا اجازت غیر حاضری پر سخت سزا دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ ھدھد واپس آکر اپنی داستان سناتا ہے کہ اس نے ایک ایسا ملک دیکھا ہے جس کی حکمران ایک خاتون (مملکت سباء کی ملکہ) ہے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام اس پرندے سے دونوں ملکوں کے مابین پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ دونوں حکمران بادشاہوں کے درمیان ہدایا و تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اور ملکہ سباء حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کا خیرسگالی دورہ کرتی ہے۔ وہ حضرت سلیمان کے اخلاق ودین ان کے اللہ کے انعامات اور اصول حکمرانی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیتی ہے:

"وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین ○

لاعذبنه عذابا شديدا اولا اذبحنه اولياتيني بسلطن مبين ○ فمكث غير بعيد فقال احطت بما لم تحط به وجئتك من سباء بنباء يقين ○"
(النمل:20'22)

اور پرندے کو نہ پا کر سلیمان علیہ السلام نے کہا: مجھے کیا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ غیر حاضر ہے؟ میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا پھر اسے ذبح کر دوں گا یا جب تک وہ واضح دلیل (غیر حاضری کی) پیش نہ کرے۔ پس وہ تھوڑی دیر غائب رہا اور پھر (جو عدہ حاضر ہو کر) کہنے لگا: "میں ایسی خبر لایا ہوں جو تمہارے پاس نہیں اور ملک سباء کے بارے میں یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔

ملکہ سباء کو اللہ کی قدرت کاملہ اور عظیم قوت کا مظاہرہ اور کرشمہ سازی دکھانے کی خاطر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے تخت کو اس کے دورے کے دوران اپنے ہاں منگوانے کا حکم دیا جسے اسم اعظم کے عامل اور علم و معرفت کے حامل انسان نے تائید ایزدی سے پلک جھپکنے میں وہاں حاضر کر دیا۔ جسے دیکھ کر ملکہ مبہوت اور حیران ہو گئی اور کہنے لگی: "كانه هو" یہ تو وہی لگتا ہے۔

"قال الذي عنده علم من الكتب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربي ليبلوني ااشكر ام اكفر ومن شكر فانما يشكر لنفسه ومن كفر فان ربي غني كريم ○

کتاب کا علم رکھنے والے نے کہا: میں اسے (تخت کو) تمہارے پاس تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاؤں گا۔ پس جب انہوں نے اسے (تخت کو) اپنے ہاں دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کی مہربانی ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ آیا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو یقیناً میرا پروردگار بے نیاز اور صاحب کرم ہے۔

"عنده علم من الكتاب" سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت خضر علیہ السلام لیتے ہیں۔ ("انه الخضر عليه السلام" (۲۱) یقیناً وہ خضر علیہ السلام ہیں)

قرآن حکیم نے کئی ایک بشارتیں ایسے حالات میں دیں' جبکہ ان کے پورے ہونے کے لئے حالات سازگار نہ تھے' مگر وہ اپنے متعین اوقات میں پوری ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو سرخرو کیا۔ ایسی بشارتوں میں سے ایک رومیوں کی فتح کی خوشخبری تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اہل فارس رومیوں کے خلاف کامیاب ہوئے تو مشرکین بہت خوش ہوئے مسلمان چاہتے تھے کہ رومی فتحیاب ہوں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ یہ آیت "المO غلبت الروم وهم من بعد غلبهم سيغلبونO في بضع سنين" (الروم:6) (الف لام میم، رومی مغلوب ہو گئے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہوں گے) اترنے کے بعد مشرکین نے سات سال کے لئے حضرت ابو بکرؓ سے شرط لگالی۔ سات سال گزرنے کے بعد وہ خوش ہونے لگے کہ ابو بکر شرط ہار گئے ہیں۔ ابو بکرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: تم بضع سنین کے لفظ کا کتنے سالوں پر اطلاق کرتے ہو۔ ابو بکرؓ نے کہا: دس سالوں سے کم پر۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ شرط کو دو سال کے لئے مزید بڑھالو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ شہ سوار اہل فارس پر رومیوں کے غلبہ کی خبر لے کر آگئے جس سے مسلمانوں کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ (۲۳)

زندگی اور موت کے اسرار و رموز پر مبنی ایک اور قرآنی قصہ حضرت عزیز علیہ السلام کا ہے۔ وہ بستی کے گرے ہوئے گھروں کو دیکھ کر دوبارہ اس کے زندہ ہونے کے بارے میں استفسار کرتے ہیں، پروردگار عالم زبانی طور پر اس کا جواب دینے کی بجائے عالم وجود میں انہیں اس کا ذاتی مشاہدہ کراتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات انسانی مشاہدات و تاثرات اور عواطف و احساسات اتنے گہرے اور شدید ہوتے ہیں کہ ان کا علاج عقلی دلائل، وجدانی ثبوت اور بظاہر عام فطرت سے ممکن نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے براہ راست ذاتی مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے احساس تکمیل پذیر ہو جاتا ہے اور دل بغیر کچھ کہے مطمئن ہو جاتا ہے۔ سورہ البقرہ میں اس قصے کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"اوكالذي مر على قرية وهي خاوية على عروشها قال انى يحي هذه الله بعد موتها فاماته الله مائته عام ثم بعثه قال كم لبثت قال لبثت يوما او بعض يوم قال بل لبثت مائة عام فانظر الى طعامك وشرابك لم يتسنه وانظر الى حمارك ولنجعلك اية للناس وانظر الى العظام كيف ننشزها ثم نكسوها لحما فلما تبين له قال اعلم ان الله على كل شيئ قدير"

(البقرہ:258،259)

یا اس کی طرح جو ایک بستی پر سے گزرا جس کی چھت گری پڑی تھیں۔ کہنے لگا: اللہ اسے

مرنے کے بعد کیسے زندہ فرمائیں گے؟ پس اللہ نے اس پر سو سال کے لئے موت طاری کر دی پھر اسے اٹھایا اور پوچھا: "تو کتنے سال مرا رہا" اس نے کہا: "ایک دن یا دن کا کچھ حصہ" (اللہ نے فرمایا) بلکہ تو ایک سو سال مردہ رہا۔ پس اپنے کھانے پینے کو دیکھو خراب تک نہ ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کو دیکھ، ہم ان پر گوشت کیسے چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس کے لئے معاملہ واضح ہو گیا۔ اس نے کہا: "مجھے یقین ہو گیا بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ایسے مشاہدے کے متعلق بعض لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ تو قانون فطرت کے برعکس ہے۔ اس ضمن میں سید قطب نے مندرجہ ذیل تین اصول ذہن نشین کرنے کی تلقین کی ہے:

① ہم اللہ کی قدرت مطلقہ کو اپنے مروجہ قوانین کے تحت جانچ نہیں سکتے، کیونکہ وہ ہستی ہمارے محدود تجربات و وسائل سے ماوراء ہے۔

② ہم جن قوانین کائنات کو جانتے ہیں، ان کی قطعیت مسلمہ نہیں ہے اور ان میں تغیر و تبدل ناگزیر ہے۔

③ درحقیقت اوامر الٰہی اور قوانین فطرت کا دار و مدار اللہ کی مشیت پر ہوتا ہے، جس کا انحصار اللہ کے ارادے پر ہے۔ (۲۳)

قرآن حکیم نے قدرت خداوندی کے ایک اور معجزے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استفسار پر اللہ نے انہیں چار پرندے ذبح کر کے ان کا گوشت مختلف پہاڑوں پر پھینکنے کا حکم دیا اور اس کے بعد انہیں آواز دینے کا کہا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آواز دینے پر ان کی طرف اللہ کے حکم سے پرواز کرتے ہوئے چلے آئے۔

"واذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم○" (البقرہ:26)

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ فرمایا: "کیا تم (اس پر) ایمان نہیں رکھتے؟ آپ علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ فرمایا (اللہ نے: پس تم چار پرندے پکڑ کر ذبح کرو اور ان کے ٹکڑے ہر ایک پہاڑ پر پھینک دو، پھر تم انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑ کر آئیں گے اور یقین رکھو کہ

بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشاہدے کی بات ہو رہی ہے جو انتہائی عبادت گزار' متواضع' بردبار' راضی برضائے الٰہی اور اللہ کے مقرب ترین پیغمبر تھے۔ اس کا تعلق ایمان کے وجود اور اس کی پختگی اور مکمل ہونے سے نہیں ہے اور نہ ہی کسی برہان کا تقاضا ہے بلکہ یہ تو روحانی شوق کا معاملہ ہے جو پروردگار کی صنعت وکاریگری کے راز سے آشنائی کا طلبگار ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خالق کائنات کی قدرت کاملہ کا عملی مظاہرہ ومشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ابدی اور دلربا ودلفریب روحانی کیف سے سرشار ہو کر زندگی بسر کریں۔ دراصل یہ ایمان کا آخری درجہ ہے جس کے بعد ایمان کا کوئی ارتقائی مرحلہ باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ انہوں نے اسرار ورموز خداوندی کو اپنی نظروں کے سامنے ظہور پذیر ہوتے دیکھا۔ پرندوں سے زندگی رخصت ہوگئی اور انہیں ذبح کر کے دور پہاڑوں پر پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد حکم الٰہی سے ان میں دوبارہ زندگی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی واپس آگئی' جس کا نظارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیدۂ بینا نے کیا اور وہ سرمدی سرور ومستی سے ہمکنار ہو گئے۔(۲۴)

6- تحقیق کے مثبت اثرات:

تحقیق ہمیشہ مثبت جذبوں اور حسین اقدار حیات سے پروان چڑھتی ہے۔ یہ عمل تحقیق موزوں' متوازن اور فکری لائحہ عمل ہے جو حالات وواقعات کے معلوم کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ تلاش کار اپنے رویے' سلوک اور طرز عمل میں خوبصورت تبدیلی اور نمایاں تغیر لاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے معاشرے میں ممتاز مقام حاصل ہوتا ہے۔(۲۵)

قرآن کریم کے مطابق علمی حقائق ومعلومات اور تحقیقی اثرات مثبت اور دیرپا ہوتے ہیں' انہیں زمانے کی گردش اور حالات کی گرد وغبار ختم نہیں کر سکتی۔ اسی لئے قرآن نے مشرکین سے بھی اسی قسم کی علمی حقیقت کا تقاضا کیا' جو ان کے کفر اور شرک کا ثبوت پیش کر سکے مگر وہ ایسا نہ کر پائے۔

"قل ارایتم ماتدعون من دون الله ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرک فی السموات ائتونی بکتب من قبل هذا او اثارة من علم ان کنتم صدقین" (الاحقاف:4)

کہہ دیجئے! کیا تم نے دیکھا ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ جو انہوں نے

زمین پیدا کی یا آسمانوں (کی تخلیق) میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب مجھے لا کر دو یا کوئی علمی نشان اگر تم سچے ہو؟

مشرکین قرآن کے اس علمی چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکے اور عملی طور پر ان کے غلط عقائد کا بطلان ثابت ہو گیا۔ اس طرح منطقی طور پر بھی قرآن حقیقتوں کا امین اور علم و حکمت اور معرفت و عرفان کا نگہبان قرار پایا۔

قرآنی اصطلاح "**والراسخون فی العلم**" کہ اہل ایمان میں سے جو لوگ علمی ثقاہت کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں' کے بارے میں سید قطب وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ وہ اپنی علمی برتری اور ذہنی عظمت کی بدولت انسانی فکر و نظر اور عقل و شعور کے تقاضوں سے بہ خوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان اللہ کے وعدے اور عہد خداوندی پر مکمل ہوتا ہے' ان کا دل اس پر مطمئن ہوتا ہے۔ انھیں اللہ کے بیان پر یقین کامل اور اس کے فضل و رحمت پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اللہ کا خوف اپنے دل میں سا لیتے ہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا لیتے ہیں۔ وہ بیدار مغز مسلمان کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں اور شب و روز کی ساعتوں میں ہوشیار اور چوکنے رہتے ہیں۔

ان کے برعکس جن کے پاس سطحی علم ہوتا ہے' وہ اس گمان کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز کا ادراک اور معرفت رکھتے ہیں۔ اسی لئے وہ کلام الہٰی کا موازنہ عام مباحث سے کرنے لگتے ہیں' حالانکہ ان کی عقل کا دائرہ نہایت محدود ہوتا ہے' جبکہ صحیح علم کے حاملین متواضع اور منکر المزاج ہوتے ہیں۔ وہ فطرت سلیم رکھتے ہیں اور اپنی بے بسی و عاجزی کا برملا اظہار کرتے ہیں۔(۲۶)

اللہ نے انسان کو خلافت ارضی کا فیصلہ کیا تو اسے ضروری معرفت عطا کی اور اسے آفاق و انفس میں بکھری ہوئی آیات بینات سے شعور و آگہی دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف انسانی نسلوں کو ان کے لئے مطلوبہ علم سے سرفراز کرتا ہے تاکہ عالم کون و فساد کا نظام برقرار رہے۔ اسی علم الہٰی کے کرشموں سے انسان کائنات کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کرتا رہتا ہے اور کبھی اسرار کا علم نہ ہونے کی وجہ سے حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ انسان اسی عطائی علم کے بل بوتے پر اتراتا ہے مگر الحمدللہ بیسویں صدی کے سائنس دان عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور اپنی کم مائیگی اور کم علمی کا اعتراف کرتے ہیں۔(۲۷) اس عجز و انکساری' محنت و جانفشانی' اخلاص و وفاداری اور اسلام اور پاکستان کے لئے محبت کا عظیم ترین نمونہ

ہمارے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہیں۔ جو ایٹم بم تیار کرنے کا قابل یادگار کارنامہ سرانجام دینے کے باوجود اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔

علمی اور تحقیقی حقیقتیں مستقل اور دیرپا ثابت ہوتی ہیں جبکہ باطل اور جھوٹ کا کوئی سر اور پاؤں نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید" (سباء:49)

کہہ دیجئے: حق آچکا اور باطل کا نہ آغاز ہوتا ہے اور نہ کوئی انجام۔

پروردگار عالم جس طرح دنیا کا روزی رساں ہے اور ان کی جسمانی ضروریات کا خیال رکھتا ہے' اس طرح وہ ان کی روحانی احتیاجات اور تربیتی لوازمات کا بھی اہتمام برابر کرتا رہتا ہے' چنانچہ یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب" (سباء:48)

کہہ دیجئے: یقیناً میرا پروردگار حق و صداقت (کے ذریعہ جھوٹ پر) بمباری کرتا رہتا ہے وہ غیبی اشیاء کو خوب جانتا ہے۔

ایک دوسری آیت کریمہ نور حقیقت' بصیرت اور زندگی جیسی اعلیٰ حقیقتوں کا تاریکی' اندھاپن اور موت کی ادنیٰ چیزوں کے ساتھ کیا گیا ہے:

"وما یستوی الاعمی والبصیرO ولا الظلمات ولاالحرورO ومایستوی الاحیاء ولا الاموات O" (فاطر:21'23)

نابینا اور بینا' تاریکی اور روشنی برابر نہیں اور زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق و صداقت کا نزول ہوا اور وہ خود بھی صداقت شعاری اور حق پرستی کا مجسمہ قرار پائے قرآن کریم میں ہے:

"قال فالحق والحق اقول" (ص:84)

اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: پس حق اور صرف حق ہی میں کہتا ہوں۔

سورہ النجم کی آیت میں حقیقت کو ازلی و ابدی معرفت کی روپ دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

؟وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحی" کہ

فرمودہ او فرمودہ خدا است
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کتاب الٰہی مبنی بر حقیقت ہے اور ہمیشہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے جس میں

انسانیت کی خیر خواہی اور بہتری مضمر ہے۔ "قرآنا عربیا غیر ذی عوج لعلھم یتقون" "عربی زبان والا قرآن کجروی کا حامل نہیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔

اللہ تعالی نے قرآن حکیم کو کذب وافتراء اور جھوٹ وملمع سازی سے منزہ قرار دیا ہے وہ سراسر حق وصداقت پر مبنی ہے اور رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وانه لکتب عزیز○ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید○" (حم السجدۃ: 41'42)

اور بلاشبہ یہ غالب کتاب ہے' باطل نہ اس کے سامنے آتا ہے اور نہ پیچھے یہ دانا ستودہ صفات کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

علمی صداقتیں اور تحقیق سچائیاں اس قدر دائمی اور دیرپا ہوتی ہیں کہ قیامت کے دن بھی اہل علم اور اصحاب فکر' مجرمین کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں گے اور اصل حقائق پر سے پردہ کشائی کریں گے کہ وہ دنیا میں تاقیامت رہے ہیں اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ زندگی کی گھڑیاں مکمل کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں داخل ہو چکے ہیں:

"ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعة کذلک کانوا یوفکون○ وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتب الله الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون○" (الروم: 56'57)

اور روز قیامت مجرم لوگ حلفاً کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ افترا بازی کا شکار رہے اور اہل علم وایمان کہیں گے۔ یقیناً تم اللہ کی کتاب میں قیامت کے دن تک مقیم رہے۔ پس یہ قیامت کا دن ہے اور لیکن تم جانتے نہیں تھے۔

سورہ یونس: 37 میں وارد ہے:

"یہ قرآن اللہ کے سوا کوئی گھڑ نہیں سکتا تھا' بلکہ یہ پروردگار جہاں کی بلا ریب کتاب کی تفصیل ہے اور پہلی کتب (سماویہ) کی تصدیق کرتی ہے۔"

اسی سورت کی آیت: 82 اور اس کا ترجمہ اسی طرح ہے:

"ویحق الله الحق بکلمته ولوکره المجرمون" اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ سچ کر دکھاتا ہے چاہے مجرمین اسے ناپسند کریں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کتاب حقیقت کے بارے دریافت کرتے تو آپ ان کے سامنے اس کی صداقت وحقانیت واضح فرماتے اور ان کی بے بسی وبے چارگی کو بھی اجاگر

کر دیتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسے یوں بیان کیا ہے:

"ویستنبئونک احق هو قل ای و ربی انه لحق وما انتم بمعجزین" (یونس:53)

اور وہ آپ ؐ سے پوچھتے ہیں: کیا وہ برحق ہے؟ آپ کہہ دیں: ہاں میرے رب کی قسم! وہ یقیناً برحق ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے علمی صداقت کو مستقل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وجعلها کلمه باقیه فی عقبه لعلهم یرجعون" (الزخرف:28)

اور (ابراہیم) اس (عقیدہ توحید) کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی/ دیرپا بات (کی حیثیت سے) چھوڑ گیا تاکہ لوگ (آئندہ بھی توحید کی طرف) رجوع کریں۔

7- فلاح و کامرانی:

تحقیق کے اغراض و مقاصد میں انفرادی اور اجتماعی طور پر فلاح و کامرانی کا حصول بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تحقیق کی جامع تعریف یوں کی جاتی ہے کہ تحقیق محنت و مشقت' طلب و تفتیش اور باغور جانچ پڑتال کے عمل کا نام ہے اور اس عمل کا تعلق ہر اس مسئلہ سے ہے جو انسانی زندگی اور اس کے روزمرہ کے معمول سے متعلق ہے۔ بلامقصد جانچ پڑتال یا محنت کو ہم تحقیق کا نام نہیں دیں گے' کیونکہ یہ ایسا ہو گا کہ کوئی سفر کرتا جائے لیکن وہ اپنی منزل سے ناآشنا ہو۔ چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق انسانی فلاح و بہبود' معاشرتی مسائل کا حل اور اس کی راہنمائی میں بہت حد تک معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔(۲۸)

تحقیق ایک اعتبار سے علم کردار کی ایک شاخ ہے جس کا اطلاق بالخصوص تعلیمی منصوبوں کے جملہ پہلوؤں پر ہوتا ہے' جس کی مدد سے استاد پہچان لیتا ہے کہ مخصوص نتائج کے حصول کے لئے کمرہ جماعت میں کن حالات کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ محقق ہر وقت تلاش و جستجو میں مشغول رہتا ہے اور درپیش حالات و واقعات کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے نبرد آزما رہتا ہے۔ وہ جذبات اور فکر کی ہم آہنگی سے اپنے اور دوسروں کے لئے سمندر کی لہروں اور تھپیڑوں کو جاننا اور قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ وہ معاشرتی فلاح و بہبود کے لئے فکرمند ہوتا ہے اور اس کے تصورات کی دنیا میں مسائل کی شکل واضح ہونا شروع ہو جاتی ہے۔(۲۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کلام ربانی اور وحی خداوندی کے

ذریعہ نازل ہونے والی تعلیمات اور اصولوں کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ صراط مستقیم کے خدوخال واضح کیے گئے ہیں اور آپ ؐ کے اس پر گامزن ہونے کی تصدیق کی گئی ہے اور امت مسلمہ کے لئے انہیں نصیحت و عبرت کا سامان اور فلاح و کامرانی کا موثر ترین ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

"فاستمسک بالذی اوحی الیک انک علی صراط مستقیم وانه لذکرلک ولقومک وسوف تسئلون○" (الزخرف:43'44)

جو تم پر وحی کی گئی اس پر عمل پیرا ہوں' یقیناً آپ صراط مستقیم پر گامزن ہیں اور بلاشبہ یہ (قرآن) تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم سے باز پرس کی جائے گی (کہ آیا تم نے اس پر عمل کیا؟)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن انسانیت کے لئے رشد وہدایت کا منبع اور ان کی فلاح وبہبود اور خیر و ہمدردی کا بہترین ذریعہ ہے' زندگی کے مسائل کا بہترین عملی اور فطری حل قرآنی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"هذا بصائر للناس وهدی ورحمه لقوم یوقنون" (الجاثیہ:20)

یہ لوگوں کے لئے بصیرتوں کا مجموعہ ہے اور یقین رکھنے والی قوم کے لئے راہنمائی اور رحمت ہے۔

قرآن حکیم کے دیگر امتیازی خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن حق اور باطل کی کسوٹی' سچ اور جھوٹ کی تمیز اور صحیح و غلط کی پرکھ اور پہچان ہے۔ **"الله الذی انزل الکتب بالحق والمیزان"** (الشوریٰ:17)

اللہ وہ ذات ہے جس نے کتاب کو سچائی اور میزان کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی معاشرے کے زیادہ تر مسائل باہمی اختلاف وافتراق' لڑائی جھگڑا اور بے جا بحث مباحثہ سے جنم لیتے ہیں۔ قرآن نے اس کی بنیادی وجہ کا قلع قمع کیا ہے اور احکام و تعلیمات کی اساسی علم و معرفت اور ایمان و ایقان پر قائم کی ہے' تاکہ فضول قسم کے اختلافات اور جھگڑے ناپید ہو جائیں اور انسانی معاشرہ ترقی کے مراحل طے کرتا چلا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کے خاتمہ کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علم ویقین پر مبنی تعلیمات کو پیش کیا گیا اور انہیں خوف خدا کو دل میں جاگزیں کرنے اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"ولما جاء عیسی بالبینات قال قد جئتکم بالحکمة ولا بین لکم بعض الذی تختلفون فیه فاتقوا الله واطیعون" (الزخرف:63)

اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا: میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے اختلافی مسائل کو تمہارے لئے واضح کروں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

سورہ التین میں فرمایا: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن کی' بلاشبہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں تخلیق فرمایا۔ پھر اسے پست ترین مخلوق کی طرف موڑ دیا۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہے' جس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ (التین:1'6)

اللہ پاک جب کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بطور ثبوت پیش فرما رہے ہیں۔ اس سورۃ میں ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں تخلیق فرمایا ہے۔ یعنی اس میں جملہ صلاحیتوں کا نہایت حسین امتزاج ہے اور وہ بلند ترین مراتب کے حصول کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اس میں پست ترین مخلوق سے بھی پست تر حالت میں گرنے کا رجحان موجود ہے اور اس کے ثبوت میں چار حقائق پیش کیں۔

(i) التین سے مراد وہ جگہ جہاں نوحؑ وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے پہاڑی کا مشہور خطبہ دیا۔

(ii) طور وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو شرف ہمکلامی سے نوازا۔

(iii) شہر امن مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے رسولؐ پاک تشریف فرما ہوئے۔

(iv) حضرت نوحؑ اور عیسیٰؑ میں یک گونہ مماثلت ہے کہ دونوں کے وعظ و نصیحت سے بہت کم لوگ ایمان لائے۔ موسیٰؑ اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یک گونہ مشابہت ہے۔ دونوں اصحاب شریعت تھے۔

مذکورہ قسموں سے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو بطور شواہد پیش کیا گیا کہ ان شخصیتوں کو دیکھ لو۔ بلاشبہ انسان انسان کی تقویم احسن (بہترین ساخت) ہے اور جن لوگوں نے ان حضرات کی مخالفت کی تھی' نوحؑ کی قوم کے سردار عیسیٰؑ کے یہودی دشمن' فرعون اور مکہ کے سرداران ابوجہل' ابولہب اور ولید بن مغیرہ وغیرہ وہ پست ترین مخلوق سے بھی پست ہو گئے تھے۔ البتہ جو لوگ پیغمبروں پر ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جس میں

ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا۔ یعنی وہ اپنی احسن تقویم پر قائم رہیں گے اور بلند سے بلند تر مراتب کی طرف بڑھتے رہیں گے۔

دنیا میں عام طور پر اسفل سافلین (پست ترین لوگ) ہی کی بالادستی رہی ہے۔ صرف ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قد آور شخصیت کے زور اور اللہ کے کرم سے قرآن کریم کی تعلیمات پر مبنی ایسا معاشرہ اور مملکت قائم فرمائی جس میں آپؐ پر ایمان لانے والے حضرات صحابہ کرامؓ کی بہترین صلاحیتیں اجاگر ہوئیں اور ایسے انسان باافتیار ہوئے جو احسن تقویم پر قائم رہے اور جن سے انسانیت کی فلاح وبہبود' ہمدردی وخیر خواہی اور ترقی وخوشحالی کے مفید کام ہوئے۔(۳۰)

8- امن وسلامتی کا قیام:

تحقیق کا پہلا مقصد امن کے نظریئے کی نشوونما یا ارتقاء ہے۔ ایسی ایسی تحقیق کی سب سے بڑی افادیت قدرت کی پیدا کردہ کائنات کو امن وسکون اور راحت وآرام سے ہمکنار کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحقیق نئے افکار' جدید نظریات اور مفید منصوبہ جات کا انکشاف کرنے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیتی ہے۔ راہ حیات اور منزل زندگی کو انسان کے سامنے ہموار کرتی ہے' اس کے دوران میں پیش آمدہ مسائل ومشکلات کا مثبت حل پیش کرتی ہے۔(۳۱)

قرآن حکیم نے مثبت ومنفی' انعام وسزا اور بشارت وانذار کے دونوں اسالیب اصلاح استعمال کرتے ہوئے انسانی معاشرے میں امن وسلامتی کو قائم کرنے کا مقصد کیا ہے۔ چنانچہ سورہ فصلت میں ہے:

"حم تنزیل من الرحمٰن الرحیم ○ کتب فصلت ایته قرانا عربیا لقوم یعلمون ○ بشیرا ونذیرا فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون ○" (فصلت:1'4)

حاء میم' یہ خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کردہ ہے' ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں' عربی زبان کا قرآن' ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں' بشارت دینے والا اور ڈرا دینے والا ہے۔ پس ان میں سے اکثر نے اعراض سے کام لیا' پس وہ (اسے) سنتے نہیں۔

دور حاضر کے عظیم مفکر اور مایہ ناز مفسر سید مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل چھ باتیں بیان کی ہیں۔

1 پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کلام خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

2 دوسری بات یہ ارشاد ہوتی ہے کہ قرآن ایک نعمت عظمیٰ ہے جو اللہ نے سراسر اپنی رحمت کی بناء پر انسانوں کی رہنمائی اور فلاح وسعادت کے لئے اتاری ہے۔ اللہ اگر انسانوں سے بے رخی برتتا تو انہیں اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا اور کچھ پرواہ نہ کرتا کہ یہ کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں' لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ پیدا کرنے اور روزی بہم پہنچانے کے ساتھ ان کی زندگی سنوارنے کے لئے علم کی روشنی دکھانا بھی وہ اپنی ذمہ داری خیال کرتا ہے اور اسی بناء پر یہ کلام اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے۔

3 تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اس کتاب کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اس میں کوئی پیچیدگی اور گنجلک نہیں ہے کہ کوئی شخص اس بناء پر اسے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر دے کہ اس کی سمجھ میں اس کے مضامین آتے ہی نہیں ہیں۔ اس میں تو صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا' صحیح عقائد کون سے ہیں' اچھے اخلاق کیا ہیں اور برے اخلاق کیا' نیکی کیا ہے اور برائی کیا' کس طریقے کی پیروی میں انسان کی بھلائی ہے اور کس طریقے کو اختیار کرنے میں اس کا اپنا خسارہ ہے؟ ایسی صاف اور کھلی ہوئی کتاب کو اگر کوئی شخص رد کرتا ہے یا اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ کوئی معذرت پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے اس رویئے کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خود بر سر غلط رہنا چاہتا ہے۔

4 چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ عربی زبان کا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کسی غیر زبان میں آتا تو اہل عرب یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہم اسی زبان سے ہی نابلد ہیں' جس میں خدا نے اپنی کتاب بھیجی ہے۔ لیکن یہ تو ان کی اپنی زبان میں ہے۔ اسے نا سمجھنے کا بہانا وہ نہیں بنا سکتے۔

5 پانچویں بات یہ بتائی گئی ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہے جو علم رکھتے ہیں یعنی اس سے فائدہ صرف دانا لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں' نادان لوگوں کے لئے یہ اسی طرح بے فائدہ ہے جس طرح ایک قیمتی ہیرا اس شخص کے لئے بے فائدہ ہے جو ہیرے اور پتھر کا فرق نہ جانتا ہو۔

6 چھٹی بات یہ فرمائی گئی کہ یہ کتاب بشارت دینے والی اور ڈرا دینے والی ہے' یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ محض ایک تخیل' ایک فلسفہ اور ایک نمونہ انشاء پیش کرتی ہو' جسے ماننے یا نہ ماننے کا کچھ حاصل نہ ہو۔ بلکہ یہ ہانکے پکارے تمام دنیا کو خبردار کر رہی ہے کہ اسے ماننے

کے نتائج نہایت شاندار اور نہ ماننے کے نتائج انتہائی ہولناک ہیں۔ ایسی کتاب کو صرف ایک بے وقوف ہی سرسری طور پر نظرانداز کر سکتا ہے۔(۳۲)

سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت و فرمانبرداری کرنے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والے انسان کو فلاح و کامرانی کا مژدہ فرمایا:

"قد افلح من تزکی O وذکراسم ربه فصلی O" (الاعلیٰ:14'15)

یقیناً تزکیہ کرنے والا کامیاب ہوا اور جس نے اپنے پروردگار کا نام یاد کیا اور نماز ادا کی۔

یہ ایک برملا حقیقت ہے کہ ایمان ویقین کا مالک انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر قابل رشک زندگی گزارتا ہے۔ ایک طرف وہ اپنے رب کا مطیع ' مخلص ' وفادار اور تابعدار غلام ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ بندگان خدا کے ساتھ مشفق مہربان ' رحم دل ' سخی ' ہمدرد ' خیرخواہ ' مددگار اور بہی خواہ انسان کا کردار ادا کرتا ہے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اور مصیبت میں ان کا سہارا بنتا ہے۔ اس طرح وہ معاشرے کا نہایت مفید مطلب فرد ثابت ہوتا ہے۔ ایسا انسان جب اپنے مالک کے ہاں جاتا ہے تو اسے مکمل اطمینان وسکون اور آرام و راحت نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے آقا کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور اس پر مالک کی طرف سے انعامات کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت و مہربانی اس پر سایہ فگن ہوتی ہے اور جنت الفردوس میں بلند مقام پر اسے فائز کیا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"یاایتها النفس المطمئنة O ارجعی الی ربک راضیة مرضیة O فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی O" (الفجر:27'30)

اے مطمئن روح! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا اللہ تم سے راضی ہے تم اس سے خوش۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا!

معاشرے میں امن وسلامتی کے قیام کے لئے یہ ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں اور ان کے مابین اخوت و بھائی چارہ اور ہمدردی و خیرخواہی کے جذبات کارفرما ہوں۔ قرآن کریم نے مومنین کی صفات میں سے اہم ترین یہ بیان کی ہے کہ وہ غلط کام کرنے کے بعد اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی رائے غلط ثابت ہونے کے بعد ' اس پر ڈھٹائی دکھاتے ہیں بلکہ جونہی ان پر حقیقت منکشف ہوتی ہے وہ توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور غلط رویہ کو ترک کرتے ہوئے صحیح رویہ اپناتے ہیں۔

"ولم یصروا علی مافعلوا وهم یعلمون" (آل عمران:135)

اور وہ (مومنین) اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے جبکہ انہیں (حقیقت کا) علم حاصل ہو جائے۔

اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسو بہانے والے اور آئندہ کے لئے خیر اور نیکی کو اختیار کرنے والے مومنین اور نیکوکاروں کے لئے دائمی باغات اور پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش کا مژدہ سنایا گیا ہے اور انہیں بہترین کارکن کا خطاب **"ونعم اجر العاملین"** (بہترین اجر کے حامل ورکرز) دیا گیا ہے۔

معاملات اور باہمی لین دین میں عدل و انصاف اور احسان کا رویہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ معاشرتی امن و استحکام کے لئے یہ امور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ناپ تول میں انصاف اپنانے کا حکم دیا ہے، کم تولنے سے منع کیا ہے اور فساد و فتنہ برپا کرنے سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"یقوم اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولاتبخسوا الناس اشیاء ھم ولاتعثوا فی الارض مفسدین" (ھود:85)

اے میری قوم! تم ناپ تول پورا کرو انصاف کے ساتھ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے بھاگ دوڑ نہ کرو۔

جیسا کہ ترجمہ آیت سے عیاں ہے۔ ناپ تول میں کمی کرنے اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے یا کم دینے کو فساد برپا کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پروردگار عالم نے اپنی ذات کے بارے میں تذکرہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیں گے۔

"وانا لموفوھم نصیبھم غیر منقوص" (ھود:109)

اور ہم یقیناً ان کو ان کا حصہ بلا کم و کاست پورا دیں گے۔

اسلامی نظریہ جہاد قیام امن کا بہترین ذریعہ اور موثر وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ڈاکٹر مریض کا علاج کرتے وقت اس کے مرض کے ناسور کو ختم کرنے کی خاطر اپریشن کو آخری حربے کے طور پر استعمال کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے میں امن و سلامتی قائم کرنے کے لئے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا اور مسلمانوں کے مال و دولت اور گھربار چھین لئے تو اللہ نے انہیں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا، جہاں پہلی اسلامی سلطنت قائم کی گئی اور کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کا عمل شروع کیا گیا تاکہ ان کے پیدا کردہ فتنہ و فساد اور معاشرتی تباہی و بربادی کا خاتمہ ممکن ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واقتلوهم حيث ثقفتموهم واخرجوهم من حيث اخرجوكم والفتنة اشد من القتل ولا تقتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقتلوكم فيه فان قتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكفرين○" (البقرہ:191)

اور انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا، وہاں سے تم انہیں نکال باہر کرو اور فتنہ قتل سے شدید تر ہے اور تم ان سے خانہ کعبہ کے پاس لڑائی نہ کرنا جب تک وہ تم سے اس میں لڑائی نہ کریں۔ وہاں اگر وہ تم سے وہاں لڑیں تو انہیں قتل کر ڈالو۔ کافروں کی سزا اسی طرح ہے۔

ایک دوسری آیت میں قیام امن تک جہاد و قتال جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور دین اسلام امن و سلامتی راحت و رحمت، محبت و شفقت اور ہمدردی و خیر خواہی کا گہوارہ ہے۔

"وقتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله فان انتهوا فلا عدوان الا على الظلمين○" (البقرہ:193)

اور تم ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین اللہ کے لئے ہو۔ پس اگر وہ (فتنہ و فساد سے) باز آ جائیں تو صرف ظالموں کی زیادتی کا جواب دینا جائز ہے۔

9- حاصل بحث:

دوسرے باب سے اخذ کردہ نتائج حسب ذیل ہیں:

- تحقیق کا مقصد زندگی کے مسائل حل کرنے کیلئے صحیح راہنمائی حاصل کرنا ہے۔
- علم کی ثقاہت اور خبر کی پختگی و تصدیق کرنا تلاش کار کی اصل مہم ہے۔
- محقق علم کے نور بصیرت سے وہ صلاحیت و قابلیت حاصل کرتا ہے جو عمل تحقیق کو جلا بخشتی ہے۔
- اہل علم و معرفت کو تمام دیگر شعبہ جات زندگی پر برتری و فضیلت حاصل ہے۔
- حقیقی علم اور اصل معرفت راہ حیات کی گتھیوں کو سلجھاتی ہے، کیونکہ اسے تائید ایزدی نصیب ہوتی ہے۔
- تحقیق اگرچہ وقت طلب کام ہے لیکن اس کے اثرات و نقوش دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔
- فلاح و کامرانی کا حصول تحقیق کے اولیں مقاصد میں ہے۔
- تحقیق کا اہم ترین مدعا اور غرض معاشرے میں امن و سلامتی کا قیام ہے۔

* آئندہ باب میں تحقیق کے عناصر ترکیبی کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

تیسرا باب

تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان

1- تعارف:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں طلب و جستجو کے جذبے کو ودیعت کر رکھا ہے۔ وہ اپنے ماحول کے مطالعے سے مزید معلومات حاصل کرتا رہتا ہے' یہ اس کے فطری تقاضے کے عین مطابق ہے چاہے وہ عمر کے کسی حصے میں ہو' اس کے جذبہ تحقیق و تلاش کاری میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ باقاعدہ تحقیق کا موجودہ طریق کار سب سے پہلے اہل یونان نے ایجاد کیا اور مشہور یونانی مفکر ارسطو نے اس کی نشوونما کی۔ تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ اس طریقہ کار نے ایک انقلاب برپا کر دیا کہ کوئی بات بھی اس وقت تک تسلیم نہ کی جائے جب تک اس کے لئے ٹھوس ثبوت یا دلیل فراہم نہ کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ پہلے اصل مسئلہ کو سمجھا جائے' اس کے بعد اسے حل کرنے کے لئے فراہم کردہ دلائل اور مفروضوں کو ثابت کرنے کی خاطر ذاتی مشاہدے' شخصی تجربات' عملی آزمائش' ثقہ معلومات اور واضح ریکارڈ و وثائق سے استفادہ کیا جائے۔(۴۳)

تیسرا باب "تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان" پر مشتمل ہے' جس میں قرآنی تعلیمات اور فرقانی نصوص کی روشنی میں سائنسی طرز استدلال' عینی مشاہدہ' ثقہ معلومات' صحیح اور واضح ریکارڈ' مثبت رویہ' علم کا ارتقاء' صداقت شعاری' محنت و جانفشانی اور نگران کے اوصاف و ذمہ داریاں درج کی گئی ہیں اور حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ ان عنوانات کی عملی تطبیق فن تحقیق کے مروجہ اصول و ضوابط کے ساتھ کی جائے۔

2- سائنسی طرز استدلال:

سترہویں صدی کے قریب انسان نے حصول علم کا ایک نیا طریقہ اخذ کیا۔ یہ سب کچھ جدید سائنسی تحریک کا نتیجہ تھا جو فرانس میں شروع ہوئی اور سب سے پہلے سائنسی طرز فکر کی بنیاد

ڈالی۔ علم کے حصول کے طریقے کو مزید تقویت بخشنے کے لئے گیا یا اور نیوٹن جیسے افراد نے مزید کام کیا۔ چنانچہ دلیل اور مشاہدہ کو مشترک کرنے سے جدید سائنسی طرز استدلال کا آغاز ہوا۔ حصول علم کے جدید طریقوں کو دریافت کرنے کے لئے مسلمان سائنس دانوں اور ماہرین تعلیم و تحقیق کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ ان میں سے مشہور ترین علماء اور مفکرین میں الفارابی" ' الغزالی" ' ابن خلدون" ' ابن تیمیہ" ' ابن کندی' البیرونی' ابن سینا' ابن رشد اور ابن فلاسفرون کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ انہوں نے حصول علم کے جدید طریقے ایجاد کئے اور بعد میں ان ہی کی تحقیقات اور اکتشافات سے یورپ نے استفادہ کیا۔(۳۴)

قرآن کریم نے آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی آیات بینات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور ان سے تذکیہ و موعظت اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ سورۃ النحل میں ہے:

"بالبینات والزبر وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون" (النحل:44)

واضح دلائل اور صحیفوں کے ساتھ اور ہم نے تمہاری طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ آپ' لوگوں کے لئے' جو ان کی طرف اتارا گیا' اس کی وضاحت کریں اور شاید وہ غور و فکر کریں۔

اسی طرح سورۃ النحل کی آیات نمبر11' 12 اور 13 میں بالترتیب

"ان فی ذلک لایة لقوم یتفکرون"' "ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون" اور **"ان فی ذلک لایه لقوم یذکرون"** (یقیناً اس میں غور و فکر/ عقل و شعور اور نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لئے نشانی ہے) میں قرآن کے قارئین کے لئے غور و فکر سوچ بچار' عقل و شعور اور عبرت و نصیحت بنیادی شروط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کا درجہ حاصل ہے۔ آپ کو اللہ تعالی نے حکمت و دانائی' معرفت و دانشوری اور فراست و بصیرت سے نوازا تھا۔ ان کی طبیعت میں تلاش اور کھوج لگا کر حقائق کی تصدیق یا تردید کرنے کا ملکہ موجود تھا اور وہ منطقی طرز فکر اور سائنسی طرز استدلال میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ دعوت اسلامی کا فریضہ سرانجام دینے کے دوران میں وہ زمین و آسمان اور آفاق و افلاک میں بکھری ہوئی قدرت کی نشانیوں اور قوانین فطرت سے صحیح نتائج اخذ کر کے اپنے مخالفین کو خاموش کر دیتے تھے۔ چنانچہ حاکم وقت

نمرود کے سامنے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے دلائل کو سہل سے مشکل کی ترتیب کو پیش نظر رکھا۔ پہلے فرمایا: میرا پروردگار تمام مخلوقات کی تخلیق کرتا ہے اور اسے موت کے عمل سے گزارتا ہے۔ نمرود نے کہا: یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اس نے اس وقت ایک قیدی کو آزاد کر دیا اور دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوی ترین برہان بیان کی کہ میرا پروردگار سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہ دلیل پا کر وہ خاموش اور حیران ہو گیا۔

"قال انا احی و امیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر واللہ لایھدی القوم الظلمین"
(البقرہ:258)

اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: بلاشبہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' تو اسے مغرب سے نکال کر لا۔ پس کافر ششدر رہ گیا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے اسرار و رموز سلطنت سے واقفیت عطا فرمائی تھی' تاکہ انہیں ایمان و ایقان کی معراج حاصل ہو' ارشاد الٰہی ہے:

"وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ویکون من الموقنین" (الانعام:75)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کی بادشاہت دکھائی اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

مشکوۃ شریف کی حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن ہی سے عقلی دلیل اور منطقی برہان سے متاثر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی والدہ سے پوچھا: میرا رب (پالنے والا/ تربیت کرنے والا) کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہوں۔ پوچھا: تمہارا کون ہے؟ ماں نے کہا: تمہارا باپ۔ دریافت کیا: اس کا رب کون ہے؟ اس نے جواب دیا: بادشاہ وقت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: بادشاہ کا رب کون ہے؟ سوال کا جواب دینے کی ہمت نہ پا کر ماں نے تھپڑ رسید کر دیا۔

آپ نے اپنی قوم اور خاندان کے ساتھ بھی بہت سے علمی مناقشے اور فکری مباحثے کئے۔ ان میں سے اہم ترین واقعہ یوں ہے کہ رات کی تاریکی چھانے پر ابراہیم علیہ السلام نے ستارے

کو دیکھ کر کہا: یہ میرا پروردگار (ہو سکتا) ہے۔ اس کے غروب ہونے پر گویا ہوئے: میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ چاند طلوع ہوا' دیکھ کر فرمانے لگے: یہ میرا رب ہے' مگر اس کے غروب ہو جانے پر کہا: یہ میرا رب کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر میرا پروردگار مجھے صراط مستقیم کی ہدایت نہ کرے تو میرا شمار گمراہوں میں ہو گا۔ سورج کو چمکتا پایا اس کی حرارت اور شعاؤں سے متاثر ہو کر بولے: یہ سب سے بڑا ہے' یہ میرا رب ہے' لیکن سورج بھی غروب ہو گیا تو فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے شرک کے تمام طریقوں سے برات کا اظہار کرتے ہوئے زمین و آسمان کے خالق اللہ کا یکسوئی کے ساتھ بندہ ہونے کا اعلان کرتا ہوں' کیونکہ تمہارے پاس شرک پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

"فلما جن..... انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین" (الانعام: 76' 79)

پس جب رات چھا گئی.... یقیناً میں یکسو ہو کر اپنے چہرے کو اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

سائنسی طرز استدلال میں صغریٰ' کبریٰ کے بعد نتیجہ نکالا جاتا ہے' جیسا کہ فلسفہ و منطق کی مشہور کتاب سلم العلوم میں بیان کیا گیا ہے۔ آسان الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مماثل اور متشابہ اشیاء پر سبب و علامت مشترک ہونے کی وجہ سے ایک ہی حکم لگایا جاتا ہے اور بلا دلیل و برہان کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم نے سورہ یٰسین میں شمس و قمر کے مدار ان کے اعمال و حرکات اور دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ کی قدرت پر دلیل حاصل کی گئی ہے' کیونکہ ان کا عمل مستقلاً جاری ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج یا چاند نے اپنے مدار کو چھوڑ کر دوسرے کے کام میں مداخلت کی ہو۔ اسی طرح چاند ہلال و قمر کی منزلیں طے کرتا ہوا بدرجہ کامل کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہے۔

"والشمس تجری لمستقرلها ذلک تقدیرالعزیز العلیم○ والقمر قدرنه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم○ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمرو لاالليل سابق النهاروکل فی فلک یسبحون○" (یٰسین: 37' 39)

اور آفتاب اپنے مقام کی طرف رواں دواں ہے' یہ غالب جاننے والے کی تقسیم ہے اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں' یہاں تک کہ وہ کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کو زیب دیتا ہے کہ چاند پر غالب آ جائے اور نہ رات دن سے آگے بڑھتی ہے اور ہر ایک

(اپنے) مدار میں تیر رہا ہے۔

3- عینی مشاہدہ:

مسٹر وٹنے فریڈرک کے مطابق تحقیق مسائل کے مناسب حل تلاش کرنے کے لئے باضابطہ غور و فکر مخصوص آلات اور طریقوں کے استعمال کا نام ہے۔ تحقیق ذاتی آراء سے ہٹ کر اصلیت کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرتی ہے۔ ایسی تحقیق میں مسئلہ سے متعلق حقائق اور مواد اکٹھا کیا جاتا ہے' بعد میں ان حقائق کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر مشاہداتی تصدیق اور عینی مشاہدے کے بل بوتے پر مناسب فیصلہ دیا جاتا ہے۔(۳۵) قرآن حکیم نے عینی مشاہدے اور ذاتی معائنے کے کئی ایک واقعات بیان کئے ہیں جو کہ انسانیت کے لئے عبرت آموز اور تعلیم کا موثر ذریعہ ثابت ہوئے ہیں' اس قسم کی چیدہ چیدہ آیات درج ذیل ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس کی لاش کو سامنے پا کر اسے ٹھکانے لگانے کے لئے متفکر تھا۔ اللہ تعالٰی نے دو کووں کے واقعہ سے اسے دفن کرنا کا طریقہ سمجھا دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

"فبعث الله غرابا يبحث في الارض ليريه كيف يواري سوءة اخيه قال يويلتى اعجزت ان اكون مثل هذا الغراب فاواري سوءة اخي فاصبح من الندمين ○" (المائدہ:34)

پس اللہ نے کوے کو بھیجا' جس نے زمین کو کھودا تاکہ اسے (قابیل کو) دکھائے کہ وہ کیسے اپنی بھائی کی لاش کو چھپائے۔ اس نے کہا: ہائے مجھ پر افسوس! کیا میں اتنا ہی بے بس ہوں کہ اس کوے کی طرح نہیں کر سکتا' تاکہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاؤں' پس میں ندامت کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ کوا بھی انسانیت کے معلمین کی فہرست میں شامل ہے اور پوری کائنات ہمارے لئے ایک عظیم دانش کدہ کی حیثیت رکھتی ہے' جہاں انسان برابر تعلیم حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہ جہاں ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

حضرت موسٰی علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالٰی سے شرف ہمکلامی حاصل کرنے گئے تو کہنے لگے

اے میرے رب! مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر دے کہ تمہیں دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم براہ راست مجھے نہ دیکھ سکو گے' تاہم پہاڑ کو دیکھنا' اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ جونہی پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی' پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام دہشت سے گر پڑے۔ اٹھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا برملا اظہار پا کر اس پر پہلے مومن ہونے کا اعلان فرمایا:

".....فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین"
(الاعراف:143)

.....پس جب ہوش آیا تو اس (موسیٰ) نے کہا: تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

ملکہ بلقیس کا شاہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ ان کے ہاں پائے جانے والے عرش کو دیکھ کر اسے اپنا ہی عرش خیال کیا۔ بعد میں اسے دیوان خاص کے راستے سے شاہی محل میں بنفس نفیس داخل ہونے کے لئے لے جایا گیا۔ محل کی بارہ دریوں میں سے گزرتے ہوئے اس کی چمک دمک سے وہ اس قدر دھوکہ کھا گئی کہ اس نے اسے پانی کی جھیل خیال کرتے ہوئے اپنے اسکرٹ کو پنڈلیوں اوپر اٹھا لیا۔ مہمان کی غلط فہمی کو بھانپتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بتایا کہ یہ محل صاف شفاف شیشے کا بنا ہوا ہے۔ اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے کہا:

"قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمن لله رب العالمین" (النمل:44)

اس نے کہا: اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اور میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وساطت سے اللہ پروردگار جہاں پر اسلام لائی۔

تاریخی دلائل سے استشہاد اور ذاتی مشاہدہ کو تحقیق کی مبادیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے بنیادی حیثیت دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرنے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے:

"وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشهدین" (القصص:44)

اور تم (کوہ طور کی) مغربی سمت میں نہ تھے' جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام (کی نبوت) کا

معاملہ مکمل کیا اور نہ تم گواہوں میں سے تھے (جنہوں نے اس واقعہ کا ذاتی مشاہدہ کیا)

4- ثقہ معلومات:

ویسے تو ہر ایک عالم کے لئے تھوڑا بہت ذوق تحقیق ایک اضافی صفت اور خوبی تصور کی جاتی ہے' لیکن ایک محقق کے لئے جو بنیادی طور پر حق کا متلاشی ہوتا ہے اور اول وآخر محقق ہے' یہ محض ایک اضافی خوبی نہیں بلکہ ایک طرز زندگی اور لائف اسٹائل ہے۔ ہمارے اسلاف اور محقق محدثین تلاش حقائق کے بڑے جویا تھے۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی سے علمی میدان میں محنت اور سخت کوشی سے کام لیا اور تحقیق کو چند روزہ شغل یا فیشن نہیں سمجھا' بلکہ اسے طرز زندگی (Pattern of life) کے طور پر اپنایا' جس کے لئے بڑے توجہ اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تبھی جاکر کہیں ثقہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔(۳۶) بقول مولانا رومی

پس قیامت شو قیامت را ببیں

دیدن ہر چیز را شرط است ایں

قرآن حکیم ثقہ معلومات اور مصدقہ خبروں کا مجموعہ ہے۔ اس کی آیات کی تقسیم محکم اور متشابہ کے طور پر کی گئی ہے۔ فطرت سلیمہ کے مالک مسلمان محکم آیات کی پیروی اختیار کرتے ہیں جبکہ اہل نفاق متشابہ آیات کی غلط تاویلات کرتے ہوئے کجروی اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"هو الذي انزل عليك الكتب منه ايت محكمت هن ام الكتب واخر متشبهت فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشبه منه....." (آل عمران:7)

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم پر کتاب (قرآن) اتاری' اس میں سے محکم آیات کتاب کی اصل ہیں جبکہ کچھ دیگر آیات متشابہ ہیں' پس جن کے دلوں میں کجروی ہے وہ اس میں سے متشابہ کی پیروی کرتے ہیں....

مولانا عبداللہ یوسف علی نے اس آیت کی تشریح بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت قرآن کی تفسیر و تشریح کا ایک اہم ترین نکتہ و راز افشا کرتی ہے۔ قرآنی احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے' ایک حصہ کتاب کی اساس اور بنیاد فراہم کرتا ہے جسے "ام الکتاب" کتاب کی اصل اور سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے' کیونکہ یہ حصہ اسلامی احکام کی ایک مضبوط بنیاد کا کام دیتا ہے' اسی لئے ہمارے مفسرین کرام نے اسے محکم (قوی اور مستحکم) کا نام دیا

ہے دوسرا حصہ ایسے مسائل واحکام پر مشتمل ہے جنہیں عام انسان سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے فہم و ادراک کے لئے عقل وشعور' غوروفکر اور علم و معرفت کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے معانی ومفاہیم متعین کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اسی لئے اس حصہ کو متشابہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے یہ تقسیم آیات کے درمیان نہیں ہے بلکہ ان سے اخذ کردہ مطالب ومعانی میں ہے۔ ہر آیت ایک معجزہ اور اللہ کی نشانی ہے' اس کے مفاہیم میں ایک وہ کیٹیگری ہے جو عملی ہے اور اس پر عمل و تطبیق فوری ہونا چاہئے' دوسرا مفہوم دائمی اور ابدی ہے اور زمان و مکان کی حدود وقیود سے بے نیاز ہے۔ پلیٹو (Plato) کی فلاسفی میں اسے ہم افکار و خیالات کی جولان گاہ قرار دے سکتے ہیں (Forms of Ideas)' ہمیں علوم وفنون کے اس بحر بیکراں سے جس قدر ممکن ہو غوطہ زنی کر کے موتی چننے چاہئے' لیکن جن عمیق معانی تک ہماری فہم و ذکاء کی رسائی ناممکن ہو اسے پانے میں اگر وہ عملی مسائل نہ ہوں تو اپنی محنت اور کاوش ضائع نہیں کرنی چاہئے۔(۴۷)

[illegible] کجروی سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دعا سکھائی گئی ہے:

"ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمہ انک انت الوھاب" (آل عمران:8)

اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنے پاس رحمت عطا کرنا' یقیناً تو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

دیگر ارکان اسلام کی طرح نماز کی فرضیت کا واضح' قطعی اور حتمی حکم اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کی بروقت ادائیگی کے سلسلے میں کسی قسم کا شبہ اور شک باقی نہیں رہتا۔

"ان الصلواۃ کانت علی المومنین کتابا مکتوبا" (النساء:102)

یقیناً نماز (کی اقامت و ادائیگی) اہل ایمان پر لکھی ہوئی کتاب (کی طرح فرض) ہے۔ حق کی وضاحت کے بعد اس میں وہم و التباس اور شک وشبہ پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ منافقین بڑے مکار اور جھگڑالو واقع ہوئے تھے' انہیں اسلام کی حقانیت وصداقت پر دل سے ایمان لانا موت کو گلے لگانے کے مترادف محسوس ہوتا تھا۔ ارشاد قرآنی ہے:

"یجادلونک فی الحق بعد ماتبین کان یساقون الی الموت وھم ینظرون" (الانفال:6)

وہ (منافق لوگ) حق (کے بارے) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں جبکہ وہ

کام کو صحیح طریقے سے سرانجام دینا اور ریکارڈ کو صاف ستھرا اور محکم رکھنا تحقیق کا ہدف ہے۔(۳۸)

مذکورہ بالا تحقیق انداز فکر کی روشنی میں محض مواد کا جمع کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی مکمل چھان بین اور جانچ پڑتال کر کے ریکارڈ کو صحیح انداز سے مدون کرنا اور مرتب کرنا ضروری ہے۔ ابن خلدون" کا کہنا ہے کہ انسان طبعی طور پر عجیب بات کہنے کا دلدادہ ہے۔ وہ نفسانی بھول چوک یا ارادہ اس کی پرکھ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا اور خبروں کو کسوٹی پر نہیں کستا۔ لہذا اکثر اوقات وہ زبان کو ڈھیل دے دیتا ہے اور اس کو جھوٹ کے میدان میں کھلی چھٹی دے دیتا ہے اور اس طرح اللہ کی آیات کا مذاق بنانے لگتا ہے۔ ابن خلدون" قارئین کو نصیحت کرتے ہیں کہ ایسی غیر مصدقہ خبریں موصول ہونے پر ان پر یقین نہ کریں بلکہ ان پر غور و فکر کریں اور قوانین صحیح اور مطلوبہ معیارات پر انہیں پرکھیں تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔(۳۹)

صحیح، مستند اور ثقہ ریکارڈ پر مبنی ہمیں تحقیق روایات ملتی ہیں، ان میں ایک عظیم تحقیق روایت "مرآۃ المثنوی" کی ہے۔ ملا عبداللطیف بن عبداللہ عباسی (متوفی 1048ھ یا 1049ھ) آٹھ سال تک رومی کی مثنوی کے مختلف نسخوں کا مقابلہ (Collation) کرنے میں منہمک رہا جیسا کہ وہ اپنے دیباچہ "مرآۃ المثنوی" میں بیان کرتا ہے۔ اس نے 1044ھ میں مثنوی کا موازنہ کابل میں مستند نسخ سے کیا۔ پھر 1025ھ میں پشاور کے مضافات میں ایک جگہ کے کئی نسخوں سے اور جب 1030ھ میں دکن کے سفر پر روانہ ہوا تو ایک دوست کی مدد سے اس کی چھان بین کی اور اس پر تنقیدی نظر ڈالی۔ پھر برہان پور میں ایک بار چار نسخوں موازنہ سے کیا۔ اس نے مثنوی کا متن تیار کرنے میں اسی نسخوں کا تقابلہ مطالعہ کیا جو برصغیر میں تدوین متن کی تاریخ کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔(۴۰) مگر آہ آج ہم تعلیمی پستی اور تحقیق مفلسی کا شکار ہیں جس کی بدولت اسلامی روایات اور ان کے متن و ریکارڈ کی چھان بین ناپید ہوتی جا رہی ہے۔

بقول علامہ اقبال"

شیر مرداں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

اللہ تعالی نے کائنات کا ریکارڈ بہت محفوظ رکھا ہے اور اپنی واضح شکل میں موجود ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"وعنده مفاتح الغيب لايعلمها الا هو ويعلم ما فى البر والبحر وما

واضح ہو چکا' جیسا کہ دیکھتے ہوئے موت کی طرح ہانکے جا رہے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو قرآن حکیم کے ذریعہ ثقہ معلومات فراہم کی ہیں' جن سے راہ حیات کی منزل عیاں ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن کو مضبوط دلیل اور واضح روشنی کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

"یا ایہا الناس قد جاء کم برھٰن من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا" (النساء:174)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے (مضبوط) دلیل آچکی ہے اور ہم نے واضح روشنی اتاری ہے۔

ایک دوسری آیت میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو روشنی کا مینار اور قرآن کو واضح کتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"قد جاء کم من اللہ نور وکتب مبین" (المائدہ:17)

تمہارے پاس اللہ کی جانب سے روشنی (کا مینار) اور واضح کتاب آچکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایک یقینی امر' محکم خبر اور ثقہ معلومات کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندھم فی التورٰة والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا به وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معه اولٰئک ھم المفلحون" (الاعراف:157)

وہ امی نبی رسول کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں' وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے اور خبیث اشیاء ان پر حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ بیڑیاں جو ان پر لگی ہوئی تھیں پس اس پر ایمان لانے والے جنہوں نے اس کی تائید و حمایت کی اور اس پر نازل شدہ نور کی پیروی کی' یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مومن افراد کی امتیازی صفات میں حق کی پیروی اور انصاف پروری کو شمار کیا گیا ہے اور ان کے بارہ قبیلے بنائے گئے اور ہر ایک قبیلے کے لئے الگ پانی کا چشمہ عصائے موسیٰ کے معجزے کے ذریعہ بنایا گیا' ان پر بادلوں کا سایہ کیا گیا اور انہیں میدان

بتہ میں زندگی گزارنے کے دوران من وسلویٰ کا کھانا فراہم کیا گیا۔ ملاحظہ کیجئے یہ سب کتنی ثقہ اور محکم خبریں ہیں جو ہمیں قرآن ارشادات کی وساطت سے مہیا کی گئی ہیں۔ ارشاد قرآنی ہے:

"ومن قوم موسى امة يهدون بالحق وبه يعدلون○ وقطعنٰهم اثنتى عشرة اسباطا امما واوحينا الى موسى اذاستسقه قومه ان اضرب بعصاك الحجر فانبجست منه اثنتا عشرة عينا قد علم كل اناس مشربهم وظللنا عليهم الغمٰم وانزلنا عليهم المن والسلوى كلوا من طيبت مارزقنٰكم وما ظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون○" (الاعراف:159'160)

اور موسیٰؑ کی قوم کا ایک گروہ حق سے ہدایت پاتا ہے اور اس کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور ہم نے انہیں بارہ قبیلے بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی' جب اس کی قوم نے پانی طلب کیا کہ تو اپنے عصا سے پتھر کو مار (پس جب اس نے ایسا کیا) تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تمام لوگوں نے اپنے گھاٹ / چشمے کو پہچان لیا اور ہم نے ان پہ بادلوں کا سایہ فگن کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا' تم ہمارے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے۔

مذکورہ آیات بینات اور ثقہ خبروں کے باوجود کفار انہیں تسلیم کرنے کے لئے محض اپنی ضد وہٹ دھرمی کی بنا پر تیار نہ تھے۔ مندرجہ ذیل آیت بھی اسی رویے کی نشان دہی کر رہی ہے۔

"ولو نزلنا عليك كتٰبا فى قرطاس فلمسوه بايديهم لقال الذين كفروا ان هذا الا سحر مبين" (الانعام:7)

اور اگر ہم آپؐ پر اوراق کی شکل میں کتاب نازل کرتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو (پھر بھی) کفار نے کہا تھا: یہ تو محض واضح جادو ہے۔

5- صحیح اور واضح ریکارڈ:

تحقیق کو بطور ایک طرز زندگی اپنانا اولیں اور بنیادی شرط ہے اور اس راستے کا پہلا قدم ہے ایک سچی لگن۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مواد جمع کر لینے کے بعد بھی طویل عرصہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں کہ صبر ایوب اور عمر نوح چاہئے انہیں سر کرنے کے لئے۔ کئی لوگ ماحصل پیش کر دینے کو غنیمت جانتے ہیں مگر اس سے بات نہیں بنتی' کیونکہ اس

تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین" (الانعام:59)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جسے وہی جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بحر و بر میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں' نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر واضح کتاب میں (محفوظ) ہے۔

ملاحظہ کیجئے' اصحاب کہف (غار والے) کے قصے کا آغاز کرتے ہوئے اس کی حقانیت کو یوں واضح کیا گیا ہے: **"نحن نقص علیک نباھم بالحق"** (الکہف:13)

ہم آپ کے سامنے ان کی خبر سچائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

خالق کائنات نے اپنے وسیع اور جامع علم کی بناء پر جہاں کائنات کے گزشتہ تاریخی واقعات کے ریکارڈ کو محفوظ کر رکھا ہے' وہاں ہمارے حال اور مستقبل کے اعمال و افعال احوال و ظروف' منصوبہ بندیاں اور شروعات کو بھی ریکارڈ کرنے کا مستند اور معتبر انتظام کر رکھا ہے۔ اس کام کے سرانجام دینے کے لئے کراما کاتبین (معزز فرشتے) کی مشینری مقرر کر رکھی ہے' جو شب و روز ہر چیز کو قلم بند کر رہے ہیں' عکس بندی جاری ہے اور اس کی فلمیں تیار کی جا رہی ہیں۔ ہمارے انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے حالات کو مکمل امانت و دیانت کے ساتھ جمع کیا جا رہا ہے۔ افراد اور گروہوں کے ساتھ ساتھ اقوام و ملل کے حالات و واقعات کی بھی قدرتی سیارے (Sattlites) تصویریں لے رہے ہیں۔ زندگی بھر یہ قلم چل رہی ہے اور اس کے تمام مناظر کی عکس بندی بھی جاری ہے۔ یہاں تک کہ انسان قبر کی تاریکیوں میں اتر جاتا ہے' جہاں قبر میں اس کا ابتدائی حساب (initial accountibility) لیا جائے گا اور پھر روز قیامت پوری کی پوری انسانیت میدان حشر میں اکٹھی کر دی جائے گی اور سب کا باری باری حساب کتاب لیا جائے گا۔

یوم حساب ہر قسم کے ریکارڈ' شہادتیں اور استشہادات کو انسانوں کے سامنے لایا جائے گا یہاں تک کہ انسان کے تمام متعلقہ جسمانی اعضاء اپنے کاموں کے بارے گواہیاں پیش کریں گے' ہر ایک کو اس کا اعمال نامہ دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ خود اپنا اعمال نامہ پڑھ کر اپنے لئے جزا یا سزا کا فیصلہ کر لو۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وکل انسان الزمنه طئره فی عنقه ونخرج له یوم القیمه کتبا یلقه منشورا○ اقرا کتبک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا○"

(بنی اسرائیل:13'14)

اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم (اس کے اعمال نامہ کی) ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ پڑھ اپنا اعمال نامہ' آج تو خود ہی اپنا محاسب کافی ہے۔

دوسری آیت میں دفتر حساب کھلنے پر مجرموں کی پریشانی و خوف دیدنی ہو گا کہ رجسٹر میں چھوٹا بڑا ہر کام درج ہو گا اور بلا کم و کاست تحریر کیا گیا ہو گا۔

"ووضع الكتب فترى المجرمين مشفقين مما فيه ويقولون يويلتنا مال هذا الكتب لايغادر صغيرة ولاكبيرة الا احصها ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا يظلم ربك احدا O" (الکھف:49)

اور دفتر (اعمال سامنے) رکھ دیا جائے گا' پس تم مجرموں کو اس کے مندرجات سے خوفزدہ پاؤ گے اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری ہلاکت! اس دفتر نے نہ چھوٹا عمل چھوڑا ہے اور نہ بڑا مگر اسے شمار کر لیا ہے اور وہ اپنے اعمال کو (اس میں) پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اس دن لوگوں کو اپنی قیادتوں سمیت پکارا جائے گا اور دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والے اسے خوشی سے پڑھیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يوم ندعوا كل اناس بامامهم فمن اوتى كتبه بيمينه فاولئك يقرءون كتبهم ولا يظلمون فتيلا" (بنی اسرائیل:71)

جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جس کسی کو اس کا نامہ (اعمال) اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو ایسے لوگ اپنا نامہ (اعمال) پڑھنے لگیں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہو گا۔

سورۂ یٰسین میں ہے:

"انا نحن نحي الموتى ونكتب ما قدموا واثارهم وكل شيئ احصينه في امام مبين" (یٰسین:12)

ہم یقیناً مردوں کو زندہ کریں گے اور جو عمل زاد آخرت بنا کر لوگ اپنے آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار ہم لکھ رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔

دائیں اور بائیں طرف متعین فرشتے دن رات انسان کے اعمال کو مضبوط تحریر میں لا کر

ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر بات نوٹ کرتے چلے جاتے ہیں جس کی شہادت قرآن نے یوں فراہم کی ہے:

"اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید" (ق: 17'18)

جبکہ دائیں اور بائیں جانب والے دو نوٹ کرنے والے (فرشتے) نوٹ کر لیتے ہیں۔ وہ (انسان) کوئی بات بھی نہیں کرتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (نوٹ کرنے کے لئے) تیار ہوتا ہے۔

روز قیامت نیک وبد انسانوں کو ان کے اعمال نامے کتابچوں کی شکل میں ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں بالترتیب دیئے جائیں گے۔ دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے وصول پانے والے فرحاں وشاداں ہوں گے اور خوشی سے دوسروں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیں گے۔ وہ بلند وبالا باغات میں عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گے۔ ان کے برعکس جنہیں اپنی بداعمالی کی بدولت بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ وہ حسرت ویاس سے کہیں گے: اے کاش! مجھے یہ نامہ اعمال نہ ہی دیا جاتا اور مجھے اپنے حساب کتاب کا علم نہ ہوتا۔ **"فیقول یٰلیتنی لم اوت کتابیہ O ولم ادر ما حسابیہ O"** (الحاقہ: 25'26)

وہ کہے گا: اے کاش! مجھے اپنا نامہ (اعمال) نہ دیا جاتا اور مجھے اپنے حساب کا پتہ ہی نہ چلتا۔

نیز وہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و جلال کو یاد کرتے ہوئے کف افسوس ملے گا کہ میرے مال و دولت نے مجھے کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ طاقت اور دنیاوی وسائل سب بے کار ثابت ہوئے۔ پھر اسے فرشتے جہنم کی طرف پابند سلاسل کرکے ہانک کر لے جائیں گے اور اسے اس کے برے اعمال میں سے بے ایمانی، کفروناشکری اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا یاد کرایا جائے گا۔ (الحاقہ: 27'34)

ان کے برخلاف اہل ایمان و تقویٰ کو نامہ اعمال داہنے ہاتھ پکڑایا جائے گا۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھیں گے، ساتھیوں کو اسے پڑھنے کی دعوت دیں گے، بتائیں گے کہ انہیں بہترین صلہ ملنے کا یقین کامل تھا، پس وہ قابل رشک آخرت کی زندگی گزاریں گے، بلند وبالا باغات ملیں گے جن کے پھل ان کے نزدیک ہوں گے اور پروردگار کی طرف سے اعلان ہوگا کہ تم اپنے گزشتہ دنیاوی زندگی کے اعمال صالحہ کے عوض یہ خوشحال زندگی عطا کی گئی ہے۔ (الحاقہ: 19'24)

مختصراً یہ کہ اسلام عبادات ومعاملات کا مجموعہ ہے اور انفرادی واجتماعی زندگی میں حسین

امتزاج پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ عام لین دین اور کاروباری معاملات میں طے پانے معاہدات اور عہدوپیمان کو "فیکتب بینکم کاتب بالعدل" تمہارے درمیان (طے ہونے والے معاملات کو) کاتب کو انصاف کے ساتھ قلم بند کر لینا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت ریکارڈ پیش کیا جائے۔ یہ حکم تحقیق کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

6- مثبت رویہ:

امریکہ کے خلاباز چاند پر انمٹ نقوش ثبت کرنے کے بعد واپس آئے تو چند باشعور لوگوں نے ان سے دریافت کیا: "پہلی دفعہ جب تم نے عالم سکوت میں قدم رکھا تو خوف اور ڈر تو ضرور دامن گیر ہوا ہوگا۔" خلابازوں نے جواب دیا: "ہماری تحقیق سائنس کا درجہ رکھتی ہے' ہمیں اپنے آپ پر پورا پورا اطمینان اور بھروسہ تھا" نیز ان خلابازوں کے ساتھ جانے والے سعودی شہزادے نے سورہ "الحمد" مکتوب شکل میں ساتھ رکھی ہوئی تھی' تاکہ اس اپریشن میں تائید ایزدی حاصل رہے۔(۴۱)

مذکورہ بالا اقتباس اسی حقیقت پر شاید عدل ہے کہ تحقیق کا متوالا انسان مثبت رویہ رکھتا ہے اور اسے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج مغرب کی خاندانی زندگی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ ہر شخص صرف اپنے بارے میں سوچ رہا ہے۔ محبت اور ایثار کے مثبت انسانی جذبے اور مثبت رویے ناپید ہیں۔ یہ طرز عمل اپنے خالق کے بنائے ہوئے ضابطہ حیات اسلام سے منہ موڑنے اور من مانیاں کرتے ہوئے غیرفطری زندگی اختیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ آج کی مغربی دنیا تھکی ہاری' لٹی پٹی اور بے سکون ہے' مادی ترقی اور تیز رفتاری کی اس دوڑ میں مسلسل مقابلے کی فضا نے انسان کو اعصاب شکستہ کر دیا ہے اور وہ بے منزل اور بے مقصد بھاگ رہا ہے۔ دنیا کی موجودہ بے راہ روی' اضطراب اور اعصابی واخلاقی بیماریوں کا واحد علاج اسلام ہے۔ اسلام میں ہی نفرت و جنگ کی آگ کے دہانے پر کھڑی انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا پیام ہے۔ اسلام ہی آج کی پیاسی روحوں کے لئے چشمہ آب حیات ہے اور تپتے صحرا' کے مسافروں کے لئے واحد نخلستان۔ بقول علامہ اقبال"

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود پھر جبین خاک حرم سے آشنا ہو جائے گا
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے (۴۲)

قرآن کے مطابق مومنین کا کردار بے داغ' رویہ مثبت اور طرز عمل صالح ہوتا ہے' ان کے برعکس منافقین کے ایمان میں ڈانواں ڈول' اضطراب' بے چینی' مکروفریب' دھوکہ دہی' فتنہ وفساد اور عدم استحکام پیدا کرنا شامل ہے۔ منافقین کے غیر سنجیدہ رویئے اور تمسخر واستہزاء' ضلالت و گمراہی اور آوارگی و بے راہ روی کی دو مثالیں سورۃ البقرہ آیت نمبر8'10 میں ذکر کی گئی ہیں' جن میں ان کے اس منفی رویہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

منافقین کے شکوہ و شکایت' آہ و زاری اور واویلا کرنے پر انھیں بتایا گیا کہ عالم کون' فساد کے تمام فیصلے اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں لہٰذا انسانوں کو اس بنیادی فلسفے پر مکمل یقین کرنا چاہئے قرآن کریم میں ہے:

"قل کل من عند الله فمال هولاء القوم لایکادون یفقهون حدیثا"
(النساء:78)

کہہ دیجئے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے' اس قوم کو کیا ہے کہ وہ بات کو سمجھ نہیں پا رہے؟

مولانا عبداللہ یوسف علی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ عقیدے کے دو فوائد ہوتے ہیں پہلا یہ کہ اللہ کے رسول کو رسول رحمت خیال کرتا ہے اور باعث رحمت ہوتا ہے دوسرا یہ کہ اپنے گناہ و غلطی کا احساس اجاگر ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔(۴۳)

قافلہ انسانیت کے مختلف طبقات کو واضح کرنے اور ان کے اختیار کردہ رویوں کو پرکھتے ہوئے اللہ کی طرف سے ان پر اتمام حجت کی جاتی ہے اور اسے تجربات و حوادث کی چھلنی سے گزارا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ ایمان و کفر اور الحاد و بے دینی اور کھرے و کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے غزوۂ احد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ماکان الله لیذر المومنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب" (آل عمران:179)

اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی حالت پر یوں ہی چھوڑنے والا نہیں جب تک خبیث کی پاکیزہ (چیز) سے پہچان نہ ہو جائے۔

گویا مثبت اور منفی رویوں کو اللہ کی جانب سے نکھارنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس مقصد کی خاطر انسانوں کو مختلف امتحانوں اور آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو صحیح طرز عمل اور مثبت رویہ اپنانے کا حکم دیا ہے اور عدل وانصاف اور صداقت و سچائی کا دامن تھامنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **کونوا قوامین بالقسط** " (النساء:135)

کہ تم انصاف کو قائم کرنے والے بن جاؤ۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ قسط سے مراد یہاں پر حق وعدل کی وہ میزان ہے جو اللہ نے اپنی کتاب کی شکل میں عطا فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمہارا ہر قول وفعل اسی باٹ اور اسی ترازو سے تولا ہوا ہو اور تم اسی پر قائم رہنے والے اور اسی کو قائم کرنے والے بنو۔ شہداء سے مراد یہ ہے کہ تم محض اس پر قائم رہ کر ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے بلکہ تم دنیا کے سامنے اللہ کی طرف سے اس کے داعی اور گواہ بھی ہو۔ یہ میزان عدل صرف لینے کے لئے نہیں ہے بلکہ دینے کے لئے بھی ہے۔ اگر اس کا فیصلہ کسی معاملے میں تمہارے' تمہارے والدین اور تمہارے اقرباء کے خلاف ہو' جب بھی تمہیں اس پر قائم رہنا اور اس کی گواہی دینا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہود کو جو کتاب دی گئی' وہ اس کی وہ باتیں تسلیم کرتے تھے جو اپنی خواہشات کے مطابق پاتے لیکن جو باتیں ان کی خواہشوں کے خلاف پڑتیں' ان سے کنی کاٹ جاتے۔ یہ ان کے رویے کا وہ غلط پن تھا' جس سے احتراز کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔(۴۴)

اسی طرح منافقین اور اہل کتاب دونوں کی آرزوؤں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ان پر واضح کیا گیا ہے کہ شرک' شفاعت اور خاندانی برتری کے بل پر جنت کے خواب دیکھنے والے سب ایک ہی جنت الحمقاء کے باسی اور ایک ہی دام فریب کے گرفتار ہیں اور ان سب کی نامرادی ایک ہی طرح کی ہے۔ جس کے پاس یہ دولت ہو گی' وہ قائز المرام ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اسرائیلی ہے یا اسماعیلی' عربی ہے یا عجمی۔ اس طرح کی کسی نسبت کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی کمی نہ ہو گی۔(۴۵) اسی لئے قرآن حکیم نے فیصلہ صادر فرماتے کہا:

"لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب" (النساء:123)

نہ تمہاری خواہشات اور نہ ہی اہل کتاب کی خواہشات (کی کوئی وقعت ہو گی)

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مضبوط کردار اور مثبت رویے کی قرآن کریم نے شہادتیں پیش کی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا:

"واذکر فی الکتب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا" (مریم:41)

اور کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کیجئے وہ یقیناً سچے ترین نبی تھے۔

ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کی ایفائے عہد کی گواہی اس طرح دی ہے:

"واذكر فى الكتب اسمعيل انه كان صادق الوعد و كان رسولا نبيا" (مریم:54)

اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کریں وہ یقیناً وعدے کے سچے اور نبی رسول تھے۔

تمام انبیاء کے متعلق فرمایا: **"ووهبنالهم من رحمتنا وجعلنالهم لسان صدق عليا"** (مریم:50)

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور انہیں بلند مرتبت زبان صداقت دی۔

7- علم کا ارتقاء:

علم کی ترقی اور ارتقاء تحقیق کے بنیادی عوامل کا اہم رکن ہے' کیونکہ علم و حکمت کی ترقی پذیری اور معرفت و دانائی کے فروغ کے بغیر کوئی معاشرہ تحقیقی مراحل طے نہیں کر سکتا۔ سچائی کی تلاش کا نام تحقیق ہے' شک کو یقین سے بدلنے کے لئے تحقیقی عمل ضروری ہے۔ انسانی ذخیرہ علم میں اضافہ اسی عمل سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے علمی و فکری ترقی کی راہیں کھلتی ہیں' معاشرے کے گنجلک اور پیچیدہ مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔ عصر حاضر کی انسانی ضروریات کی تکمیل اور سہولتوں کی فراہمی اس کی مرہون منت ہے اس کے بغیر انسانی معاشرتی اور طبعی علوم کے شعبوں میں تعطل و جمود طاری ہو جائے اور تہذیب و تمدن کے بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں۔ تحقیق کا دائرہ انتہائی وسیع ہے جتنی انسانی زندگی اور اس کے مختلف پہلو حیات انسانیت کے دائرے پر محیط ہے۔(۴۶)

دور حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کی عظمت و برتری' شان و شوکت اور سائنسی ترقی و عروج کا راز ان کے علوم و فنون میں ارتقاء اور ترقی پذیری میں مضمر ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں دیگر اقوام کی نسبت زیادہ معلومات کے حامل ہیں۔ انہوں نے برسوں کی تحقیق و جستجو سے اپنے علم میں اضافہ کیا ہے جس کا ثمرہ وہ آج حاصل کر رہے ہیں' امریکہ اور روس نے راکٹ کو چاند پر بھیجا تو یہ ان کی پہلی کوشش نہیں تھی بلکہ وہ اس سلسلہ میں کافی عرصہ سے جیشتر تحقیق میں کام کر رہے تھے۔ جاپان کے پاس جدید تعلیمی تحقیق کا نظام موجود ہے' جس کی بدولت نت نئے تجربات کی نوید سنائی جاتی ہے جو اس کی قومی ترقی کا باعث ہیں۔ برطانیہ میں زیادہ تر تحقیق

سیاسیات' معاشیات اور ادب پر ہوتی ہے۔ رائل سوسائٹی آف ٹیچرز نے 1923ء میں تعلیمی تحقیق کے لئے جدید اقدامات کئے۔ جرمنی میں تحقیق کا زور عام طور پر سائنس اور جسمانی تعلیم پر رہا ہے' 1922ء میں ایمسٹرڈم یونیورسٹی ہالینڈ میں تعلیمی اور نفسیاتی لیبارٹری کا قیام عمل میں لایا گیا۔(۴۷)

الحمدللہ وطن عزیز پاکستان میں تعلیم اور سائنسی ترقی کے نام سے باقاعدہ ایک وزارت قائم ہے' جس کے تحت تحقیقی امور کی طرف توجہ دی جاتی ہے' لاہور میں ادبیات اکادمی' ادارہ ثقافت اسلامیہ اور ادارہ تعلیم و تحقیق پنجاب یونیورسٹی موجود ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد' قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد' ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد تحقیقی تصنیفات' تخلیقات منظر عام پر لانے میں مصروف ہیں۔ جماعت اسلامی کے ہیڈ کوارٹر منصورہ' لاہور کے زیر اہتمام ادارہ معارف اسلامیہ نے بہت علمی اور وقیع تحقیقی کتب شائع کی ہیں۔ راقم الحروف کی دوسری کتاب "تحقیق کے اصول و ضوابط احادیث نبوی کی روشنی میں" اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اسی طرح سائنسی میدان میں بھی پاکستان نے حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ پاکستان ایٹمی توانائی سنٹر اور کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز اسلام آباد نے جہاں شاہین ا' شاہین اا حتف میزائیل اور غوری میزائیل کی سیریز تیار کی ہیں' اس کے ساتھ ہی ایٹم بم کی تیاری اور اس کے چاغی پہاڑ کے دامن میں دھماکے نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ پاکستان اسلامی دنیا کا پہلا ایٹمی طاقت کا حامل ملک بن گیا اور یہ بم اسلامی ممالک بھی استعمال کر چکے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر یہ ایٹمی طاقت یہود و ہنود اور عیسائیوں کے پاس ہو تو امن و سلامتی کا مظہر مگر یہی عظیم طاقت مسلمانوں کے پاس ہو گی' تو یہ تباہی و بربادی اور ہلاکت کا باعث ہو گی یہ تو "برعکس نام نہند زنگی را" والی بات ہے۔ کیونکہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم امریکہ نے گرایا تھا اور دور حاضر میں بھی خلیجی جنگ کے دوران اور ابھی تک عراق پر امریکہ اور برطانیہ کے طیارے بمباری کر رہے ہیں۔ جبکہ الحمدللہ پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کے بعد برصغیر بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن قائم ہونے کی وجہ سے قیام امن کی راہیں ہموار ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔

قرآن کریم علوم و فنون کا مایہ ناز شہ پارہ ہے اور اجتماعی' معاشرتی' اقتصادی' عدالتی' سیاسی اور ملکی و بین الاقوامی شعبہ ہائے حیات سے متعلق بنیادی احکام و تعلیمات فراہم کی ہیں۔ جہاں اس سے عبادت و پرستش' پوجاپاٹ اور ذکر و فکر کے طریقے آشکار ہوتے ہیں' وہاں یہ معاملات'

باہمی لین دین' تجارت' کاروبار' رہن سہن' بودوباش' اخلاق و عادات اور حربی اصولوں پر مشتمل ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مابین قرآنی تعلیمات کے ذریعہ حسین امتزاج و ہم آہنگی پیدا کر دی گئی ہے۔ عائلی زندگی' خانگی امور اور ازدواجی معاملات پر مبنی مدلل عملی احکام پائے جاتے ہیں' عدل انصاف کا معیار و کسوٹی مقرر کر دیا گیا ہے اور امانت و دیانت کی میزان مہیا کی گئی ہے۔ الغرض قرآن ایک مکمل لائحہ حیات اور آئیڈیل دستور زندگی پیش کرتا ہے' جس کی عمارت خالصتاً علمی و فکری اور شعوری و سائنسی بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں۔

قرآن کریم نے جیولوجی کے چند مبادیات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرٰت مختلفا الوانها ومن الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها وغرابيب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه كذلك انما يخشى الله من عباده العلماء ان الله عزيز غفور" (الفاطر: 27'28)

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا' پس ہم نے اس سے کئی رنگوں کے پھل نکالے اور سفید' سرخ اور سخت سیاہ پہاڑ اور مختلف رنگوں کے لوگ' چوپائے اور جانور' اسی طرح (اللہ کی قدرت تخلیق کے رنگ ہیں) اللہ سے صرف اہل علم / سائنس دان ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

ان دو آیات میں کائنات کی رنگینی و نیرنگی کے حوالے سے جن گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے' وہ پھلوں' پہاڑوں' انسانوں اور جانوروں پر محیط ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں بالخصوص پودوں کی متعلق (Plant sciences) جیولوجیکل سائنسز' ہیومن سائینسز اور اینیمل سائنسز (Geological ,human and animal sciences) کے اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔ خود باری تعالی نے اس رنگا رنگی کے حوالے سے غور کرنے اور صحیح نتائج اخذ کرکے علم کی معراج تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ بتایا ہے۔ چنانچہ سب غایتوں کی غایت اولی اللہ وحدہ لاشریک کی ذات پاک ہے۔ (Deversity leading to unity)

علم الجنین (EMBROLOGY) کے بارے میں قرآن نے جن حقائق پر سے پردہ کشائی کی ہے' ان کو پڑھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ ان حقائق کی تفصیل زمانہ حال میں جنین کے مراحل کی تشریح کرنے والے علم کی ترقی کے بعد سامنے آئی ہے۔ یعنی یہ بات کہ ہڈی کے خلئے' گوشت کے خلیوں سے جدا اور مختلف ہوتے ہیں۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنین

(Embryo) میں پہلے ہڈی کے خلئے تشکیل پاتے ہیں۔ ہڈی کے خلیوں کے نمودار (Develop) ہونے اور جنین کا ڈھانچہ مکمل ہونے سے پہلے گوشت کا ایک خلیہ (Cell) بھی نہیں پایا جاتا۔ (۴۸) یہی وہ حقیقت ہے جسے نص قرآنی نے یوں بیان کیا ہے۔

"ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين○ ثم جعلنه نطفة في قرارمكين○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظم لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخلقين○" (المومنین:12'14)

اور (دیکھیں یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ ہم ہی نے پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا' پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بابرکت ہے اللہ تمام کاریگروں سے بہتر کاریگر۔

پروردگار عالم کا علم بہت وسیع اور جامع و شامل ہے جس طرح اس کی رحمت عام ہے' اسی طرح اس کا علم معرفت بھی پوری کائنات پر محیط ہے ارشاد باری ہے:

"ربنا وسعت كل شيئي رحمه وعلما" (:7)

اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اللہ اپنے علم میں سے بندوں کو عطا کرتا ہے جو وہ پسند کرتا ہے۔ آیۃ الکرسی میں ہے:

"يعلم مابين ايديهم وماخلفهم ولا يحيطون بشيئي من علمه الا بماشاء وسع كرسيه السموت والارض...."

وہ ان کے آگے اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے اور وہ اس کے علم سے اسی قدر احاطہ کرسکتے ہیں جتنا وہ پسند کرے' اس کی سلطنت زمین و آسمانوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

کفر و شکر جہالت کا دوسرا نام ہے جبکہ توحید معرفت و حکمت کی معراج ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: "قل افغير الله تامروني اعبد ايها الجهلون" (الزمر:64)

کہہ دیجئے! کیا اللہ کے سوا تم مجھے (کسی اور کی) عبادت کا حکم دیتے ہو اے جاہل انسانو!

ایک دوسری آیت میں علم کو عقل و شعور کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے' کیونکہ حکمت و

موعظت اہل عقل و حکمت ہی حاصل کرتے ہیں' لہٰذا جاہل ان کے ہم پلہ و برابر نہیں ہو سکتے:

"قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون انما يتذكر اولو الالباب" (الزمر:9)

کہہ دیجئے! کیا اہل علم اور جاہل انسان برابر ہو سکتے ہیں؟ اہل دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

یہ ایک علم حقیقت ہے کہ علم و معرفت اور حکمت و دانائی کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے فرمایا:

قال انما العلم عند الله" (الاحقاف:22) کہ اس کا (یقینی) علم تو اللہ ہی کو حاصل ہے۔

سورۃ لقمان میں علم الٰہی کے چند ایک گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے کہ قیامت کے بارے میں صحیح اور مکمل معلومات' بارش کے نظام پر مبنی خبریں' پیدا ہونے والی اولاد کے متعلق یقینی علم اور انسان کی مستقبل کی روزی اور موت کا علم اللہ ذوالجلال والاکرام ہی کو حاصل ہیں:

"ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وماتدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس باي ارض تموت ان الله عليم خبير" (لقمان:34)

یقیناً اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش نازل کرتا ہے اور جانتا ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں ہے اور کسی انسان کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور کسی کو علم نہیں کہ وہ کس سرزمین میں فوت ہو گا' یقیناً اللہ بہت زیادہ علم اور خبر رکھنے والا ہے۔

علم کی ترقی پذیری اور ارتقائی مراحل پر زمان و مکان کی حدود اور نقائص و محدود مقاصد کی قیود نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس کے ذریعے محض دنیاوی جاہ و جلال' حشمت و شوکت' رتبہ و منصب اور مال و دولت کا طلبگار رحمت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے محدود مقاصد کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ علم کی نارسائی کا شکار ہیں' اسی ہدایت وراہنمائی سے محروم ہیں لہٰذا ایسے لوگوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے:

"فاعرض عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد الا الحيوة الدنيا○ ذلك مبلغهم من العلم ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بمن اهتدى○ (النجم:29'30)

پس تم اس سے اعراض کرو جو میرے ذکر سے پھر گیا اور وہ صرف دنیاوی زندگی چاہتا ہے۔ یہ ہے ان کے علم کی رسائی' یقیناً تمہارا پروردگار بہتر جانتا ہے اسے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور بہتر جانتا ہے اسے جو ہدایت یافتہ ہو۔

8- صداقت شعاری:

تحقیق کا تانا بانا صداقت و سچائی' حقیقت و معرفت اور حقانیت و راست روی سے بنا جاتا ہے۔ اس میں جھوٹ' مکر' فریب اور غیر یقینی صورت حال کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' کیونکہ علمی و فکری اور سائنسی نظریاتی کی اساس اس قسم کی گھٹیا عادات اور وہم و گمان پر قائم نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی نظریہ حیات دائمی و ابدی دستور ہے' اس کی بنیادیں محکم و مضبوط اور قطعی دلائل اصولوں اور ضوابط پر استوار کی گئیں ہیں۔ چنانچہ قرآن ہدایات و تعلیمات ایسے عوامل و ارکان کی نشان دہی کرتی ہیں' جن سے انسان راہ عمل متعین کرتے ہیں اور وہ ان کے لئے نشان منزل کا پتہ لگاتے ہیں۔

سورۃ التکاثر مال و دولت پر اترانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی کا پیغام ہے' جو تا موت اپنے رویے کی اصلاح نہیں کرتے۔ ان کے لئے تین مرتبہ **"لو تعلمون"** "اے کاش! وہ علم رکھتے" کے الفاظ استعمال ہوئے اور آخری مرتبہ فرمایا:

"کلا لو تعلمون علم الیقین O لترون الجحیم' ثم لترونها عین الیقین O ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم" (سورۃ التکاثر: 5'8)

ہرگز نہیں اے کاش تمہیں یقینی علم ہوتا۔ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ پھر تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھو گے' پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ گویا قیامت کے دن انسان حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا اور سچائی کو کسی صورت جھٹلا نہ سکے گا' کیونکہ وہ ابھر کر سب کے سامنے نمودار ہوگی۔

اسی طرح سورۃ الزلزال نے بھی پوری کائنات کے بارے میں اسرار و رموز کو واشگاف کر دیا ہے کہ روز آخرت زمین کو ہلا کر رکھ دیا جائے گا' ساری کائنات تلپٹ ہو جائے گی' زمین دوز خزانے اور معدنیات باہر نکل آئیں گے۔ انسان ہکا بکا رہ جائے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ زمین اپنی تمام داستان بلا کم و کاست زبان حال سے بیان کر دے گی کہ یہ سب کچھ پروردگار کے حکم سے ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے لوگ اپنے نامہ اعمال کو دیکھنے کے لئے امڈ پڑیں گے اور وہ نیک

وہ بد تمام اعمال کو دیکھ لیں گے۔

"ومن یعمل مثقال ذرہ خیرا یرہO ومن یعمل مثقال ذرہ شرا یرہO"
(الزلزال:7'8)

پس جو ذرہ بھر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ کسی انسان پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ان کے ریکارڈ شدہ اعمال کے مطابق ان کا حساب لیا جائے گا۔ ہر انسان تعلیم یافتہ اور ان پڑھ اپنی کتاب عمل کو پڑھ لے گا۔ "وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ" ہر انسان سے سرزد ہونے والے (پرندہ کی طرح اڑنے والے) اعمال کو اس کی گردن میں لٹکانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے اس سے کوئی جائے فرار نہ ہوگی جیسا کہ شاعر نے کہا:

اذھب بھا اذھب بھا
طوقتھا طوق الحمام (۴۹)

جاؤ اسے لے جاؤ' اسے لے جاؤ' میں نے اسے تمہاری گردن میں کبوتر کی طرح گلے کا ہار بنا دیا ہے۔

صداقت شعاری کا تقاضا یہ ہے کہ جھوٹی شہادت سے احتراز کیا جائے اور بلا تحقیق کوئی بات نہ کی جائے۔ سچائی کا دائرہ صرف زبانی بات چیت تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں تمام انسانی معاملات اور معاشرتی واقتصادی اور اخلاقی شعبے داخل ہیں اور پھر دل و زبان اور سماعت کی تمام قوتیں اس سے جلا پاتی ہیں' کیونکہ ان تمام سے جوابدہی ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا" (الاسراء:36)

جس چیز کا تمہیں علم نہیں' اس کے درپے نہ رہو کیونکہ کان' آنکھ اور دل' ان سب سے بازپرس ہوگی۔

محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں "یعنی شہادۃ الزور" کہ اس سے مراد جھوٹی شہادت ہے۔

قتادہؒ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"لا تقل رایت ولم تر و سمعت ولم تسمع و علمت ولم تعلم فان اللہ تعالی لیسئلک عن ذلک"

تم نے جب تک دیکھا نہ ہو' یہ نہ کہو: میں نے دیکھا بغیر سنے نہ کہو: میں نے سنا اور بغیر علم کے

نہ کہو: میں جانتا ہوں' کیونکہ ان تمام امور کے بارے میں اللہ نے تم سے مسئول کرنا ہے۔
سنن ابی داؤد میں ہے: بئس مطیه الرجل زعموا"
کہ انسان کی بدترین سواری "زعموا" (انہوں نے خیال کیا) ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو وہم و گمان کے گھوڑے پر سوار نہیں ہونا چاہئے اور محض لوگوں کے ظن و تخمین کی بنا پر یقین نہیں کر لینا چاہئے بلکہ سچائی کی کھوج لگانا ضروری ہے۔
صحیح بخاری میں ہے:
"ومن تحکم حکما کلف یوم القیامه ان یعقد بین شعیرتین ولیس بفاعل" (۵۰)
اور جس نے کوئی فیصلہ (بلا سوچ سمجھے) دیا' روز قیامت اسے کہا جائے گا کہ وہ دو بالوں کی گانٹھ دے جو وہ دے نہ سکے گا۔
کذب گوئی اور جھوٹ بولنے کی عادت غیر اللہ کی طرح ممنوع قرار دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا:
"فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور" (الحج:30)
پس تم بتوں کی ناپاکی سے اجتناب کرو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔
ایک دوسری آیت میں فضول خرچ اور حد سے تجاوز کرنے والے جھوٹے انسان کو ہدایت الٰہی سے محروم کر دیا گیا ہے۔
"ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب" (المومن:28)
یقیناً اللہ زیادتی کرنے والے جھوٹے ترین آدمی کو ہدایت سے فیض یاب نہیں کرتے۔
مشرکین اور کفار مکہ اسلام کی حقانیت کو دیکھنے' جانچنے اور پرکھنے کی صلاحیتوں سے عاری تھے۔ انہوں نے اپنی سماعتوں اور دلوں کو بند کر رکھا تھا اور اسلامی تعلیمات کی صداقتوں کو اپنانے سے قاصر تھے۔ ارشاد ربانی ہے:
"وقالوا قلوبنا فی اکنة مما تدعوننا الیه وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عاملون" (حم السجدة:5)
وہ کہتے ہیں ہمارے دل جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اسے غلافوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے تمہارے درمیان (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے پس تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرکے جائیں گے۔ روز قیامت انسان کے تمام حواس خمسہ اس کے اعمال پر

شہادتیں پیش کریں گے:

"حتی اذا ماجا ووھا شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بماکانوا یعملون" (حم السجدہ:20)

یہاں تک کہ جب وہ وہاں (جہنم) پہنچیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم صداقتوں کے ترجمان اور حقیقتوں کے محافظ تھے' ان پر اتارا جانے والا قرآن بھی سچائیوں کا مرقع ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے قرآن کی تحریف و تبدیلی کی صورت میں سخت الفاظ استعمال ہے اور قرآن کو پرہیزگار انسانوں کے لئے تذکرہ و عبرت قرار دیا:

"ولو تقول علینا بعض الاقاویل○ لاخذنا منه بالیمین○ ثم لقطعنا منه الوتین○ فمامنکم من احد عنه حاجزین○ وانه لتذکرۃ للمتقین" (المعارج:44'48)

اور اگر آپ (خدانخواستہ) ہم پر بعض باتیں گھڑ لیتے تو ہم ضرور ان کا داہنا پکڑتے پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے' پس تم میں سے کوئی ہمیں روک نہ سکتا اور یقیناً یہ (قرآن) پرہیز گاروں کے لئے ایک نصیحت کا سامان ہے۔

راست گوئی اور صداقت شعاری روز قیامت اہل ایمان کا شیوہ ہو گا' لہٰذا انہیں بولنے کی اجازت دی جائے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"لایتکلمون الامن اذن له الرحمن وقال صوابا" (النباء:38)

(اس دن) صرف وہی بات کریں گے جنہیں رحمٰن اجازت دیں گے اور وہ راست گوئی سے کام لے گا۔

قرآن کریم نے صداقت شعاری کو جودوسخا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے فرمایا:

"فاما من اعطی واتقی○ وصدق بالحسنی○ فسنیسرہ للیسری○ واما من بخل واستغنی○ وکذب بالحسنی○ فسنیسرہ للعسری○" (اللیل:5'10)

پس جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور نیکی کی تصدیق کی۔ پس ہم اسے آسانی (کا راستہ) فراہم

کریں گے اور جس نے بخل کیا اور بے نیاز بنا رہا اور نیکی کو جھٹلا دیا۔ پس ہم اسے تنگی (کی راہ) میسر کریں گے۔

قرآنی نصوص کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ صداقت شعاری میں سچ بولنا' صحیح رویہ اختیار کرنا' قول و فعل کی مطابقت' دل و زبان کی یکسانیت' اعتقاد و احساس اور عمل کی ہم آہنگی' حق و صداقت کی شہادت اور نیکی و اچھائی کی تحسین و داد دینا شامل ہے۔ گویا یہ ایک مستقل قدر زندگی ہے' جس سے گلستان ہستی کے تمام پھول خوشبو حاصل کرتے ہیں اور تمام شعبہ ہائے حیات اسی سرمدی سرچشمہ سے فیض یاب ہوتے ہیں' بلکہ علامہ اقبالؒ کے مطابق اس کا شمار اہم قائدانہ خوبیوں میں سے ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

9۔ محنت و جانفشانی:

تحقیق کے نتائج تک رسائی کرنا ایک صبر آزما مشن ہے۔ ابن ندیم الفہرست میں اجرائے حکم کے مرحلہ میں جلد بازی کی مذمت کرتا ہے اور نقل قول و اخذ اقتباس میں احتیاط کی تلقین کرتا ہے۔ اسی طرح تحقیقی مقالات کی جمع و تدوین اور ترتیب کے لئے دور دراز مقامات اور بیرونی ملکوں کے رحلات و اسفار بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ چشم دید معلومات اور آنکھوں دیکھا حال پر مبنی مواد جمع کرنا پڑتا ہے۔(۵۱) یہ جان جوکھوں کا کام ہے' جس کے لئے محنت و جانفشانی اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصے میں محقق کی خوبیوں صفات اور تحقیق کے تقاضوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے' جو ہمارے دور کے تلاش کاروں کے لئے یقیناً نشان راہ کا کام دیتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سفر کی تھکان سے چور ہو گئے' انھوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ اس علمی رحلے کو ختم کر دیا جائے گا ابھی تک تو اس سے کوئی حیثیت نتیجہ بر آمد ہوتا نظر نہیں آتا' اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: میں تو مقرر شدہ جگہ دو دریاؤں کے سنگم تک ضرور سفر کروں گا چاہے مجھے صدیوں تک چلنا نہ پڑے۔ ارشاد قرآنی ہے:

"واذ قال موسى لفتٰه لا ابرح حتى ابلغ مجمع البحرين او امضى حقبا" (الکھف:60)

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا: میں تو دو سمندروں کے سنگم تک پہنچنے تک سفر جاری رکھوں گا' چاہے مجھے سالہا سال تک چلنا پڑے۔

جب دونوں متلاشیان علم مقررہ مقام سے انجانے میں آگے گزر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے کہا: لاؤ بھئی لنچ کریں' ہمارے اس سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا ہے اور کھانا کھانے کے بعد تازہ دم ہو کر پھر واپسی کا سفر عالم ذوق و شوق کے ساتھ شروع کر دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

"فلما جاوزا قال لفتٰه اٰتنا غدانا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا" (الکہف:62)

پس جب دونوں (مقررہ جگہ سے) آگے چلے گئے' اس (موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے جوان سے کہا: یقیناً ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ ہوتی ہے۔

لیکن تعجب اور تھکاوٹ کے باوجود بھی انہوں نے علمی رحلہ کو جاری رکھا۔ **"فارتدا علی اٰثارھما قصصا"** (الکہف:64)

پس وہ دونوں الٹے پاؤں اپنے ہی نشانات قدم پر لوٹ گئے۔

تحقیق محنت طلب کام ہے' جس میں مال و دولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے اپنے آرام و راحت کو تج کرنا پڑتا ہے اور صبر و استقامت اور اخلاص و دل لگی کے ساتھ مسلسل عمل تحقیق کو جاری رکھنے سے منزل مراد نصیب ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے قارون کے خزانوں کی نمود و نمائش پر جہاں حرص و ہوا کے بندوں اور خود غرض و لالچی انسانوں کی حسرت و یاس کا تذکرہ کیا ہے' وہاں اہل علم و یقین کی محنت شاقہ اور صبر و استقامت کو تحسین و آفرین کی نظر سے دیکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن اٰمن وعمل صالحا ولا یلقٰھا الا الصابرون" (القصص:80)

اور اہل علم نے کہا: ہلاکت ہو تمہیں' اللہ کی طرف اجر و ثواب ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے کے لئے بہتر ہے اور یہ صرف صبر کرنے والوں کو عطا ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ نے خضر علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ محنت و مشقت اور صبر و استقامت سے علمی سفر پر روانہ ہوں گے اور ان کی اطاعت و فرماں برداری بجا لائیں گے:

"قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا" (الکہف:69)

اس نے کہا: ان شاء اللہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری نافرمانی کا ارتکاب نہیں کروں گا۔

قرآنی ارشاد کے مطابق انسان کو اس کی محنت کا صلہ ملتا ہے:

"وان لیس للانسان الا ما سعی" (النجم:39)

اور یہ کہ انسان کو اپنی محنت کا صلہ ملتا ہے۔

10- نگران کے اوصاف اور ذمہ داریاں:

جس طرح عام تعلیمی میدان میں استاد کی عظمت واحترام لازمی ہے اسی طرح تحقیق کے استاد کو نگران (Supervisor) کا نام دیا جاتا ہے اور محقق پر لازم ہے کہ اس کا دل و جان سے عزت واحترام بجالائے۔ خود پروردگار عالم کو معلم قرآن کا عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ **"الرحمٰن علّم القران"** (الرحمان:1'2)

(اللہ) رحمان ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کے معلم و مربی اور حکمت و دانائی بہم پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے اور آپ کا منصب نبوت ہی یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائیں' انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کو اخلاق و آداب سکھائیں۔

"هوالذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلو عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلل مبين" (الجمعہ:2)

اس (اللہ) نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و دانش کی تعلیم دیتے ہیں اور اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

نگران مقرر کرنے سے قبل اس سے منظوری اور رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی اجازت لی تھی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"قال له موسى هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا" (الکہف:66)

موسیٰ علیہ السلام نے اسے (خضر کو) کہا: کیا میں آپ کے نقش قدم پر چلوں یا اتباع کروں' بشرطیکہ تم مجھے اس نیکی میں سے سکھاؤ جو تم سکھائے گئے ہو۔
راہ تحقیق میں صحیح راہنمائی حاصل کرنے کی خاطر تلاش کار کو نگران کے ناز و نخرے اٹھانے پڑتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی طلب پر خضر نے کہا:

"قال انک لن تستطیع معی صبراً وکیف تصبر علی مالم تحط به خبرا" (الکہف:68)

اس نے کہا: یقیناً تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے اور جس چیز کی تمہیں خبر نہیں اس پر تم صبر کیسے کر سکو گے۔

اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے صبر و استقامت اختیار کرنے اور نگران کی فرماں برداری کی یقین دہانی کرائی۔

"قال ستجدنی ان شاء الله صابرا ولا اعصی لک امرا" (الکہف:69)

اس نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے اور میں تمہارے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

دوران سفر ایک بار غلطی سے موسیٰؑ سوال کر بیٹھے تو ان کے نگران نے ان کو سختی سے ڈانٹا جس کے جواب میں انہوں نے اپنی بھول کا اعتراف کیا اور معافی طلب کرتے ہوئے نرم روی کی درخواست کی۔

"قال لا تواخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا" (الکہف:73)

اس نے کہا آپ میری بھول پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے معاملے کو زیادہ سخت نہ کریں۔ اگرچہ نگران نے معاف تو کر دیا لیکن حضرت موسیٰ نے خود ہی آئندہ غلطی دہرانے پر سلسلہ تعلیم ختم کرنے کی پیشکش کر دی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

"قال ان سالتک عن شئی بعدھا فلا تصاحبنی قد بلغت من لدنی عذرا" (الکہف:76)

اس نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی چیز پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ (کیونکہ) آپ کو میری طرف سے پورا عذر حاصل ہو گا۔

تلاش کار کو راہ تحقیق کی مشکلات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ موسیٰؑ اور خضر کے قصے میں حضرت خضرؑ نے موسیٰ کو محنت و مشقت اور صبر و استقامت اختیار کرنے کی تلقین کی۔

اسی طرح دوران تحقیق بھی نگران کی ذمہ داری ہے کہ محقق کے طرز عمل کی جانچ پڑتال کرتا رہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیمی سفر کے دوران حضرت موسیٰؑ نے خضرؑ کی طرف سے کشتی کا تختہ توڑنے' بچہ قتل کرنے اور دیوار بنانے پر اعتراض کیا تو خضرؑ نے فوراً ٹوکا:

"قال الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا" (الکھف:72)

اس نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا۔ یقیناً تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

نگران کے فرائض میں سے محقق کی مناسب راہنمائی کرنا شامل ہے۔ چنانچہ خضرؑ نے موسیٰؑ کو تعلیمی سفر کے اختتام پر شاگرد کے تمام شکوک وشبہات دور کیے' اس کے سوالات کے جوابات فراہم کیے اور ان تمام امور کی نشاندہی کی جن پر وہ خاموش نہ رہ سکا۔ انہوں نے کہا:

"سأنبئک بتاویل مالم تستطع علیہ صبرا" (الکھف:78)

میں تمہیں ان امور کی تاویل وتوجیہ بتاؤں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

تحقیق عمل کی تکمیل نگران کے زیر نگرانی ہونی چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت اس کی راہنمائی حاصل کی جا سکے۔ زیر نگرانی پراجیکٹ کی بہترین مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی تیاری ہے۔ جب انہیں یہ کام سپرد کیا گیا تو باقاعدہ راہنمائی اور نگرانی کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ارشاد قرآنی ہے:

"واصنع الفلک بأعیننا ووحینا" (ھود:37)

اور تم ہماری آنکھوں (کے سامنے) اور وحی (کی روشنی میں) کشتی بناؤ۔

11- حاصل بحث:

تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان کا تحلیلی جائزہ لیتے ہوئے ہم مندرجہ ذیل نتائج بہ آسانی حاصل کر سکتے ہیں:

- تحقیق منطقی اور سائنسی طرز استدلال سے پروان چڑھتی ہے' جس کی اساس دلیل وبرہان پر استوار ہوتی ہے۔
- تحقیق عمل میں عینی مشاہدے اور ذاتی معائنے کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔
- علم ومعرفت کا انحصار ثقہ معلومات پر ہوتا ہے اور وہم وگمان کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔
- تحقیق کے اساسی اصول وضوابط میں صحیح اور واضح ریکارڈ کا ہونا ضروری ہے۔

- جانچ پڑتال اور پرکھ کا دارومدار محقق کے مثبت رویہ اور درست طرز عمل پر ہوتا ہے۔
- تحقیق میدان میں علم و معرفت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور علوم وفنون ترقی پذیری کے مراحل طے کرتے ہیں۔
- سچائی اور صداقت شعاری تحقیق کے اساسی عوامل میں سے ہے اور اخلاص و وفاکشی کا اپنانا تلاش کار کے لئے ضروری ہے۔
- تحقیق کے کام میں ذوق وشوق کا جذبہ موجود ہو تو انسان محنت ومشقت کو اپناتا ہے اور صبرواستقامت سے کام لیتا ہے۔
- محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تحقیقی عمل کو آگے بڑھانے کے تمام مراحل میں نگران استاد کی سے مسلسل راہنمائی حاصل کرتا رہے اور اس کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آئے۔

آئندہ باب میں تحقیق کے تقاضوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے' جن کا تحقیق کے بنیادی عوامل و ارکان سے گہرا تعلق ہے اور یہ تقاضے تحقیق اور علمی دنیا میں حسن و نکھار پیدا کرتے ہیں۔

چوتھا باب

تحقیق کے تقاضے

تحقیق' محنت' مشقت' طلب' تجسّس اور بہ غور جانچ پڑتال کے مجموعے کا نام ہے۔ تحقیق کام تنقیدی نقطہ ہائے نگاہ کا حامل ہوتا ہے اور نئے حقائق کی دریافت کرکے ان کی صحیح تشریح کرتا ہے۔ محقق کی مسلسل کوشش ہوتی ہے کہ ذاتی پسند و ناپسند' شخصی احساس اور کسی قسم کی ترجیح یا خواہش کو خارج کر دے' منفی رجحانات سے احتراز کرے اور مثبت جذبات کو پروان چڑھائے۔ تحقیق صاف تخیل اور منطق کو اجاگر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے اور ہر تجزیہ کے دوران' انسانی احساس اور جذبے کو اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔(۵۲) تحقیق ایک طویل اور غیر جانبدار صبر آزما مرحلہ کا نام ہے۔

قرآن حکیم نے تحقیق کے تقاضوں کو فروغ دیا ہے اور اپنے قارئین اور مومنین کو تحقیق مستلزمات کو پورا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ علم وحی کے ذریعے نیکی اور برائی کے راستے واضح کرتے ہوئے ہر انسان کو حریت فکر اور آزادی رائے عطا کی ہے۔ "**فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر**" جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر اختیار کرلے۔ ہر انسان کو عقل و شعور کی صلاحیت سے سرفراز کیا ہے اور اسے عالم کون و فساد اور آفاق و انفس پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے۔ اگر وہ امانت و دیانت اور اخلاص و یکسوئی کے ساتھ کائنات میں بکھری ہوئی آیات بینات اور ان کے اسباب و علل پر غور کرے گا تو اسے حقائق تک رسائی حاصل ہوگی' وہ خود بخود سچائی کا اعتراف کرے گا اور اس کی دل و نگاہ سے شہادت دے گا۔

تحقیق مثبت جذبوں سے ترکیب پاتی ہے اور صحیح طرز عمل اور درست رویئے سے آگے بڑھتی ہے۔ انسانی معاشرے میں بسنے والے تمام انسانوں کے ساتھ برادرانہ مراسم قائم ہوتے ہیں اور محقق معاشرے کا انتہائی مفید مطلب فرد ثابت ہوتا ہے۔ وہ سب کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کرتا ہے' کسی کی غیبت و چغل نہیں کرتا' کسی پر بہتان طرازی سے کام نہیں لیتا' کسی کا تمسخر و مذاق نہیں اڑاتا' معاملات میں اعتدال کی راہ اپناتا ہے' مبالغہ آرائی سے احتراز کرتا ہے اور عدل و انصاف کو اختیار کرتا ہے۔

اس باب میں مذکورہ بالا تحقیقی تقاضوں کو قرآنی آیات و نصوص کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے اجاگر کیا گیا ہے۔ فرد کو فراہم کردہ حقوق کے ساتھ ساتھ انسان کے اجتماعی حقوق اور معاشرتی ذمہ داریوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے' نیز انفرادی حقوق اور اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں محقق کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔

1- حریت فکر اور آزادی رائے (Freedom of thinking and opinion):

قرآن نے انسان کو مکمل حریت فکر اور آزادی رائے عطا کی ہے اور اسے اس قسم کے وسائل و ذرائع فراہم کیے ہیں' جن کی وساطت سے وہ صحیح موقف اور درست رویہ بہ آسانی اپنا سکتا ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ صراط مستقیم اختیار نہیں کرتے اور قرآنی حقائق اور صداقتوں کو جھٹلاتے ہیں' انھیں بھی مکمل حریت فکر سے ہمکنار کیا ہے اور انھیں وہم والتباس اور شکوک وشبہات کو ترک کر کے ایمان وایقان تک رسائی حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صدقین" (البقرہ:23)

'اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو (تمھیں مکمل آزادی واختیار ہے کہ) تم اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو' اگر تم سچے ہو۔

خالق کائنات انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو ایمان کی دولت سے جلا بخشتا ہے اور اس میں اتنی بصیرت اور فراست پیدا کرتا ہے کہ وہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا اہل ہو جاتا ہے' ارشاد خداوندی ہے:

"یاایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا" (الانفال:29)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لئے کسوٹی اور معیار بنا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر دونوں کو واضح کر دیا ہے اور ان کے خدوخال کو اجاگر کر دیا ہے اور انسان کو مکمل اختیار دیا ہے' وہ جس راستے کو چاہے اپنا لے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوران دعوت و تبلیغ یہی طرز عمل اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

"افانت تکرہ الناس حتٰی یکونوا مومنین" (یونس:99)

1 58

کیا آپ لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کریں گے (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔
البتہ اتنا ضرور کیا ہے کہ مختلف قسم کی عملی مثالیں بیان کرکے انسان کو صحیح رویہ اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

"مثل الفریقین کالا عمٰی والاصم والبصیر والسمیع هل یستوٰین مثلا افلا تذکرون" (ھود:24)

دونوں (گروہوں اہل ایمان اور کافر) کی مثال اندھے اور بہرے کی (بمقابلہ) بینا اور سننے والے کی طرح ہے کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ پس تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟
سورۃ نحل: 70'76 میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں' جن سے اللہ کی وحدانیت حقانیت وصداقت کی وضاحت کی گئی ہے اور اس سے مومن و کافر انسان کے رویئے اور عمل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پہلی مثال ایک مجبور و مقہور انسان (غلام) اور امیر زادے کی ہے جو ظاہر و باطن میں پوری آزادی کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور اپنے وسائل وذرائع کا بے دریغ استعمال کرتا ہے جبکہ غلام بے بس ولاچار ہے۔ دونوں کے طرز حیات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ دوسری مثال بے چارے گونگے کی ہے جو دوسروں پر ایک بھاری بوجھ ہے جبکہ ایک دوسرا انسان عدل وانصاف فراہم کرتا ہے اور مخلوق کو ان کے حقوق دلاتا ہے۔ نتیجتہ" یہ دونوں انسان بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ ہر انسان کو نیک و بد دونوں راستے بتا دیئے ہیں اور ان کے عواقب ونتائج سے بھی آگاہ کر دیا ہے لیکن کسی کو اسلام کو اختیار کرنے کی خاطر مجبور نہیں کیا تاکہ انسان کی آزادی اور سوچ پر کوئی حرف نہ آئے' ارشاد خداوندی ہے:

"وعلی اللہ قصد السبیل ومنها جائر ولو شاء لهدٰکم اجمعین" (النحل:9)

اور (دیکھو) اللہ ہی کا کام ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی (موجود) ہیں وہ اگر چاہتا تو تم سب کو (ایک ہی) راہ دکھا دیتا۔

اس اصول ہدایت وحریت فکر سے منسلک کرتے ہوئے سورۃ الشمس میں فرمایا:

"ونفس وما سوّٰها ○ فالهمها فجورها وتقوٰها ○ قد افلح من زکّٰها ○ وقد خاب من دسّٰها ○"

اور (انسانی) جان اور اس کی بناوٹ کی قسم۔ پس اس (اللہ) نے اس میں نیکی اور اس کی

برائی الہام کر دی۔ یقیناً اس کا تزکیہ کرنے والا کامیاب ہوا اور یقیناً اسے روندنے والا ناکام وخاسر ہوا۔

قرآن کریم کا تذکرہ عبرت و موعظت قرار دیا مگر اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا۔ ارشاد باری ہے:

"کلا انھا تذکرۃ○ فمن شاء ذکرہ○" (عبس:10'12)

خبردار! یقیناً یہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ پس جو چاہے اس کو یاد رکھے۔

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا:

"انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا" (الدھر:3)

یقیناً ہم نے راستہ دکھا دیا چاہے (انسان) شکر گزار بنے یا نافرمانی کرنے والا بن جائے۔

رحمت اللعالمین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"فذکر انما انت مذکر○ لست علیھم بمصیطر○" (الغاشیہ:21'22)

پس (اے پیغمبر) تم لوگوں کو' نصیحت کیے جاؤ (اور) تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو' ان پر داروغہ کی طرح تو تعینات ہو نہیں۔

2- عقل وشعور کا استعمال:

تحقیق کا دوسرا تقاضا عقل و شعور کو کام میں لا کر دلائل کی روشنی میں صحیح حل کا تعین اور درست نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم اور شعور کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور اسے ہدایت کر دی ہے کہ وہ غور و فکر کرنے کے بعد اپنا ذہن بناتے اور صحیح اسلامی نظریئے اور درست رویہ زندگی کو اپنائے یہ طریق کار زندگی کے تمام گوشوں اور شعبہ ہائے حیات پر لاگو ہوتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر282 میں مالی و تجارتی معاملات میں کتابت اور تحریر اور دو عدد گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے اسباب و وجود کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: "ذلکم اقسط عند اللہ واقوم للشھادۃ وادنی الا ترتابوا" کہ ایسا کرنا اللہ کے نزدیک انصاف کے تقاضے پورا کرتا ہے اور گواہی کے نظام میں استحکام پیدا کرتا ہے نیز انسانی شکوک وشبہات کا سدباب کرنے کا موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ قرض کے لین دین کے وقت اس کو ضبط تحریر میں لانا چاہئے۔

"یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ....."
اے اہل ایمان! جب تک مقرر مدت کے لئے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔"
(البقرہ:282)

چونکہ مذکورہ بالا آیت تجارتی اور کاروباری معاملات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں تحقیق کے کئی ایک تقاضوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے لہذا ہم ذیل میں اس کا خلاصہ اپنے قارئین کے استفادے کے لئے درج کر رہے ہیں:

اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ باہمی لین دین اور کاروبار کرتے وقت باہمی معاہدات کو باقاعدہ ایک دستاویز کی شکل دینا چاہئے جسے دیانتدار کاتب لکھیں جن کے دل میں خوف خدا جاگزیں ہو۔ اگر متعلقہ شخص املاء نہ کروا سکتا ہو تو اس کے ولی اور کارندوں کو یہ فریضہ سرانجام دینا چاہئے۔ اس دستاویز پر اسلامی قانون شہادت کے مطابق دو مردوں کی گواہی ہونی چاہئے۔ اگر دو آدمی دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں فریضہ شہادت ادا کریں گی اور جب کبھی ان کی گواہی طلب کی جائے' انہیں گواہی کے لئے متعلقہ عدالت میں پیش ہونا ہو گا۔ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور معاشرے میں بسنے والے لوگوں کے دلوں میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی ممکن ہو گا۔

روزانہ کے معمول کاروبار کو اگر محض زبانی اعتبار سے چلایا جا سکتا ہو تو اسے تحریر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح دوران سفر اگر اس قسم کی دستاویز تیار کرنے کے لئے ضروری عملہ و مواد دستیاب نہ ہو تو مطلوبہ چیز کو بطور امانت یا گروی رکھا جا سکتا ہے اور پہلی فرصت میں اسے ضبط تحریر میں لانا چاہئے۔

آخرت میں جہنمی افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: اے کاش! ہم دنیا میں عقل کو کام لاتے دعوت دین کو سنتے اور ایمان اختیار تو آج ہمیں جہنم میں نہ سڑنا پڑتا۔

"وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر" (الملک:10)

اور وہ کہیں گے: اے کاش! ہم (دعوت اسلام کو) سنتے اور سوچتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔

سورۃ المزمل میں قرآن کریم کو عبرت نامہ اور نصیحت قرار دیا گیا ہے اور اسے قبول کرنے کی کھلی دعوت پوری انسانیت کو دی گئی ہے:

"ان ھٰذہ تذکرہ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا" (المزمل:19)

یقیناً یہ ایک عبرت نام ہے' پس جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ اپنا لے۔
اللہ کی قدرت کاملہ کے عظیم شاہکار پرندوں کی مثال بڑے خوبصورت انداز سے بیان کی گئی ہے اور انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ کس طرح پرواز کے دوران اپنے پروں کو پھیلاتے ہوئے اپنی رفتار کو تیز (Momentum) کرتے ہیں اور پھر کس طرح ان کو بند کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ رحمان و رحیم ہی کی قدرت و طاقت کا مظہر ہیں۔

"اولم یروا الی الطیر فوقھم صٰفّٰت ویقبضن مایمسکھن الا الرحمن انہ بکل شیئی بصیر" (الملک:19)

کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر قطار در قطار (پرواز کرتے ہوئے) اور پروں کو سکیڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہیں اللہ ہی پکڑے ہوئے ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔
دوسری مثال نہایت عمدہ ہے' جس میں دو انسانوں کی تمثیل دی گئی ہے' ایک اپنے بڑے پن کی وجہ سے جھکتا پھرتا ہے اور دوسرا صراط مستقیم پر صحیح طریقے سے گامزن ہے۔ یہ مثال بھی انسان کے لئے دعوت فکر کا وافر سامان فراہم کرتی ہے۔

"افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدی امن یمشی سویا علی صراط مستقیم" (الملک:22)

پس کیا اپنے منہ کے بل کبڑا ہو کر چلنے والا زیادہ صداقت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر (برابر) چل رہا ہے؟
سلسلہ نبوت و رسالت کے سرتاج سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علم و حکمت' معرفت و دانش اور عقل و شعور کی معراج پر فائز تھے اور انہیں فہم و فراست سے نوازا گیا تھا۔ ان کے دل و دماغ کو اللہ کی طرف سے علوم و فنون کا منبع اور عقل و دانش کا سرچشمہ بنایا گیا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن نے کہا:

"الم نشرح لک صدرک" (الم نشرح:1)

کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھولا نہیں؟
یہ استفہام تقریری ہے' جس میں کسی حقیقت ثابتہ کا استفہامیہ انداز میں اعتراف و اقرار کیا جاتا ہے یعنی یقیناً ہم نے آپ کے سینے کو وسیع تر کیا ہے۔ جس میں علوم نبوت اور حکمتوں و دانائیوں کو سمو دیا گیا ہے۔
حکمت و دانش عطیہ خداوندی ہے وہ اپنی رضا سے جسے چاہے نوازتا ہے' یقیناً یہ بہت بڑی

خیر اور سعادت ہے اور صاحبان عقل و دانش ہی نصیحت و موعظت حاصل کر سکتے ہیں' جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

"یوتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولو الالباب○" (البقرہ:269)

وہ (اللہ) جسے چاہے دانائی عطا کرتا ہے اور جسے دانائی دی جائے یقیناً اسے بہت زیادہ خیر (اور سعادت) دے دی گئی اور صرف اہل عقل ہی نصیحت اخذ کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے جابجا انسان کو عقل و شعور اور سوجھ بوجھ سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔ ذرا سا بھی مظاہر فطرت اور تخلیقات الٰہیہ پر غور کریں تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور برملا "سبحان تیری قدرت!" کے الفاظ زبان پر آ جاتے ہیں۔ قرآنی آیات میں "**افلا تبصرون**" تم دیکھتے کیوں نہیں "**افلا تعقلون**" تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے "**افلا تذرون**" کیا تم دیکھ نہیں پا رہے اور "**افلا تنظرون**" کیا تم نگاہ نہیں ڈالتے کے الفاظ و کلمات قارئین قرآن کو دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

اسی طرح عالم انفس و آفاق اور کارخانہ حیات میں بکھری ہوئی قدرت کی واضح نشانیوں پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ویسے تو پورا قرآن ہی اس حقیقت پر شاہد عدل ہے لیکن ہم ذیل میں چیدہ چیدہ آیات و سور کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جن میں انسان کو خواب غفلت و مدہوشی کے عالم سے بیدار ہو کر اور جہالت و لاعلمی کے پردے چاک کر کے علم و حکمت کے موتی چننے اور عقل و شعور اور غور و فکر سے کام لیتے ہوئے حقیقت ابدی کو دریافت کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سورۃ "الرحمٰن" کا خاکہ یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی تعلیم دی' انسان کی تخلیق کی' اسے بولنے کا فن سکھایا' سورج' چاند اور ستارے اور شجر و حجر اس کے حضور سجدہ کناں ہیں۔ زمین و آسمان کی بناوٹ اور جن و انسان کی پیدائش اس کا شاہکار ہیں وہ مشارق و مغارب کا پروردگار ہے اور اس نے ابحار و سمندروں کے ذریعہ مختلف قسم کے موتی اور لعل و جواہر نکالے جاتے ہیں۔ اللہ کی ان نعمتوں اور آیات بینات کو تسلیم نہ کرنے والوں کو ان کی پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس کے برعکس اللہ سے ڈرنے والوں کو دو جنتوں کا تحفہ ملے گا' جن میں حور و قصور اور یاقوت و مرجان اور انگوروں و کھجوروں کے باغات ہوں گے اور وہ قالینوں اور صوفوں پر

براجمان ہوں گے' بابرکت ہے اللہ ذوالجلال والاکرام

سورہ "البلد" میں خانہ کعبہ' مدینہ منورہ اور والد و اولاد کی قسمیں اٹھا کر انسان کو اس کی تخلیق' دو آنکھیں' دو ہونٹ اور ایک زبان اور نیکی و بدی کے راستوں کی راہنمائی کرنے کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں اور راہ راست کو اپنانے کی دعوت دی گئی ہے۔

• سورۃ "الغاشیہ" میں اونٹ کی تخلیق' آسمانوں کی رفعت' پہاڑوں کی مضبوطی اور زمین کی ہمواری کی یاددہانی کراتے ہوئے نصیحت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے: **فذکر انما انت مذکر** "پس آپ ان کو نصیحت کریں۔ کیونکہ آپ کا کام نصیحت کرنے والے (مربی) کا ہے۔

سورۃ "اللیل" میں نیکی اور بدی کے راستے کو حسنیٰ (نیکی) اور عسریٰ دیسریٰ (تنگی اور آسانی) کی خوبصورت اصطلاحات و تمثیلات سے واضح کر کے اہل فکر و نظر کے لئے دعوت عمل دی گئی ہے۔

3- حسن اختلاف (Beauty of dispute):

تحقیق کا عمل وسیع و عریض دائرہ کار رکھتا ہے' جس کی حدود صرف ایک دو افراد تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ معاشرے کے دیگر افراد بھی اس سے درجہ بدرجہ متاثر ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فخر و غرور اور تکبر کو ترک کرتے ہوئے فراخدلی سے اپنی اور دیگر اصحاب کی تحقیق کا تقابلی جائزہ لیجئے۔ اگر آپ پر یہ راز کھل جائے کہ آپ کی رائے صائب نہیں تو بجائے اس کے کہ آپ اس میں خفت محسوس کریں' آپ کو تشکر و امتنان کے جذبے کے ساتھ اپنے بھائیوں کے لئے دعائے خیر کریں(۵۴) اور اس کے تحقیقی کام کی قدر کریں۔

قرآن حکیم نے احکام کے اصول و مبادیات کو قطعیت کا درجہ دیا ہے۔ حرام و حلال کی حدود و قیود متعین کر دی ہیں' حقوق و فرائض کی مکمل نشاندہی کر دی ہے۔ ایمانیات و عقائد کی وضاحت کی ہے' عبادات و معاملات کی تفصیلات تک بتا دی گئی ہیں' تاہم بعض فروعات میں ورائٹی و تنوع اور بندگان خدا کی فطرت کے اختلاف کے پیش نظر اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اس کی بنیاد بھی دلیل پر رکھی گئی ہے۔

چنانچہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس تورات وانجیل آسمانی کتابوں کے ذریعہ علم وحی پر مبنی حقائق و معلومات موجود تھیں' لہٰذا ان کو اختلاف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی' مگر انہوں نے محض تعنت' ذاتی عناد اور سرکشی کے پیش نظر

ایسا کیا اور مسلمانوں کو مستقل طور پر زچ کرتے رہے۔ حالانکہ ان کے پاس آیات بینات موجود تھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وماتفرقوا الا من بعد ماجاءھم العلم بغیابینھم" (الشوریٰ:14)

اور انہوں نے اس وقت اختلاف کیا جبکہ ان کے پاس علم (وحی) آچکا' محض باہمی عناد و سرکشی کی وجہ سے (انہوں نے ایسا کیا)

دوسری آیت میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔

"واتیناھم بینت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ماجاءھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیمہ فیماکانوا فیہ یختلفون" (الجاثیہ:17)

اور ہم نے انہیں معاملے (شریعت) کے واضح دلائل فراہم کئے۔ پس انہوں نے اپنے پاس علم آجانے کے باوجود محض سرکشی کی وجہ سے اختلاف کیا۔ یقیناً تیرا رب ان کے مابین قیامت کے دن فیصلہ کرے گا' اس کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اہل کتاب کا مقصد مومنین اور مشرکین کو اسلامی تعلیمات اور قرآنی احکام سے بدظن کرنا اور متنفر کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہر معاملے میں مسلمانوں سے الجھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر بات کا بتنگڑ بنانے کے عادی تھے۔ حیلہ سازیاں اور بہانے گھڑنے میں وہ مہارت رکھتے تھے اور غلط ملط و گمراہ کن تاویلیں اور فضول معانی نکالتے تھے' جن کا عملی اور معاشرتی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا' اپنی علمی موشگافیاں بگھارتے تھے جو کہ اہل ایمان کے لئے باعث اضطراب و بے چینی تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو احسن طریقے سے بہت ضروری امور کے بارے میں ان سے بات چیت مناقشہ اور علمی مباحثہ کرنے کی نصیحت کی گئی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ولاتجادلوا اھل الکتب الا بالتی ھی احسن" (العنکبوت:46)

اور تم اہل کتاب سے احسن طریقے سے (علمی مباحثہ) مجادلہ کرو۔

تحقیق کا مقصد باہمی افتراق و اختلاف کا خاتمہ اور وہم والتباس اور شک و شبہ کا ازالہ کرنا ہے' تاکہ علم کی محکم اساس کی معرفت حاصل ہو سکے۔ قرآن کریم نے ایسی تمام چیزوں کا خاتمہ کیا ہے' جن سے شکوک و شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے میں ایک عظیم حکمت یہ تھی کہ لوگ وحی پر بلاچوں وچرا کے ایمان لے آئیں' کیونکہ دوسری صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ وہمی اور شکی طبیعت کے انسان اور وہم میں مبتلا ہو جائے کہ (خدانخواستہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود نہ بنا لیا ہو۔ قرآن میں

ہے:

"وما كنت تتلو من قبله من كتب ولاتخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون○ بل هو ايٰت بيّنٰت فى صدور الذين اوتوا العلم وما يجحد بايتنا الا الظّلمون○" (العنکبوت:48'49)

اور اس (وحی) سے پہلے آپ کوئی کتاب پڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے' ورنہ فضول قسم کے لوگ شک کرتے۔ بلکہ وہ واضح نشانیاں اہل علم کے سینوں میں ہیں اور ہماری آیات کو صرف ظالم لوگ انکار کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے علمی مباحثوں اور فکری مناقشوں کی بنیاد ثقہ معلومات' علم و معرفت اور وثائق واستشہادات ودلائل پر رکھی ہے۔ سورہ لقمان میں ہے:

"ومن الناس من يجادل فى الله بغير علم ولا هدى ولا كتب منير" (لقمان:20)

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں علم وہدایت اور کتب روشن کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔

اسی طرح دلیل وبرہان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے: "مالكم كيف تحكمون○ افلا تذكرون○ ام لكم سلطن مبين○ فاتوا بكتٰبكم ان كنتم صدقين○" (الصّٰفّٰت:155'157)

تمہیں کیا ہے تم کیسے فیصلہ کرتے ہو۔ پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ پس اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ۔

قرآن کریم نے بہترین اور حسین ترین بات کو اپنانے کی نصیحت کی ہے اور اسے اہل عقل و ہدایت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ دعوت دین اور اقامت دین کا فریضہ ادا کرنے والے صالح کردار کے مسلمان سے بہتر بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔

"ومن احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال اننى من المسلمين" دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے: "الله نزل احسن الحديث" (الزمر:23)

کہ اللہ نے خوبصورت ترین بات نازل فرمائی ہے اور لوگوں کو اس کو اپنانے کا حکم ہے:

"واتبعوا احسن ما انزل اليكم من ربكم" (الزمر:55)

اور تم اس خوبصورت ترین (حقیقت) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی۔

اہل ایمان کے طرز عمل کی نشاندہی یوں فرمائی ہے:

"الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین هدٰهم الله واولئک هم اولوا الالباب" (الزمر:18)

جو لوگ بات (قرآنی آیات) بغور سنتے ہیں اور اس میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی اہل عقل و دانش ہیں۔ قرآن کریم کو جھٹلانے والوں کے بارے فرمایا گیا ہے کہ کیا ان کے دلوں پر قفل اور تالے لگے ہوئے ہیں یا ویسے ہی قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔

"افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها" (محمد:24)

پس کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

سورۃ "ق" میں بتایا گیا ہے کہ قرآن میں اہل فکر و نظر اہل دل اور صاحب بصیرت انسانوں کے لئے نصیحت و عبرت کا وافر سامان موجود ہے:

"ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید" (ق:37)

یقیناً اس (قرآن) میں اہل دل کے لئے عبرت ہے یا جس نے گواہی دیتے ہوئے غور سے سنا۔

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکار' دغاباز' جھوٹے اور قسمیں اٹھانے والوں سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"ولا تطع کل حلاف مهین" (القلم:10)

اور تم ہر قسم اٹھانے والے ذلیل انسان کی اطاعت اختیار نہ کرنا۔ گویا مکرو فریب' جھوٹ اور سازی ایک طرز زندگی ہے جسے اپنانے والا انسان بات پر قسمیں اٹھاتا ہے تاکہ اس کی باتوں پر لوگ یقین کریں اور معاشرے میں انہیں عزت و احترام سے دیکھا جائے۔ حالانکہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے اور اس قماش کے لوگ بہت جلد اپنے کئے کی سزا پاتے ہیں اور خود ساختہ عزت اور مقام و منصب کا بھرم لوگوں کے سامنے کھل جاتا ہے۔

4- اخلاص و نیک نیتی (Dedication and good intention):

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ہے۔ ح' ق' ق جس کے معنی ہیں کھرے کھوٹے کی چھان بین یا بات کی تصدیق کرنا۔ دوسرے الفاظ میں تحقیق کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے علم و ادب میں کھرے کو کھوٹے سے' مغز کو چھلکے سے اور حق کو باطل اور صحیح کو غلط سے الگ کریں۔ انگریزی لفظ ریسرچ (Research) کے بھی یہی معنی اور مقاصد ہیں۔ (۵۴)

تحقیق کے ان عظیم اور اعلیٰ مقاصد و مطالب حاصل کرنے کی خاطر اخلاص و نیک نیتی کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کی گائے کے واقعے کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بنی اسرائیل کے پے در پے فضول قسم کے سوالات سے پیغمبر وقت اکتا چکے تھے اور جواب دینے پر آمادہ نظر نہ آ رہے تھے' مگر جب انہوں نے اپنے اخلاص اور نیک نیتی کا اظہار کیا تو وہ رضامند ہو گئے۔ قرآن میں ہے:

"ان البقر تشٰبه علینا وانا ان شاء الله مهتدون" (البقرہ:70)

یقیناً گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور بلاشبہ ہم ان شاء اللہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

اخلاص و نیک نیتی کی ایک پرکھ انسان کے قول و فعل کی یکسانیت اور دل و زبان کی ہم آہنگی ہے۔ قرآنی ارشاد ہے:

"اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون" (البقرہ:44)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

تحقیق صحیح اور غلط کی تمیز اور سچ اور جھوٹ کی پرکھ سکھاتی ہے اور انسان کو اصلیت وحقیقت اور صداقت وسچائی کے برملا اظہار کا درس دیتی ہے۔ قرآن کریم نے طالبان حق کو اخلاص و نیک نیتی کو اپنا کر کتمان حق اور حق و باطل کے امتزاج کے جرم سے اجتناب کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز اہل کتاب کے ارتکاب کردہ جرائم کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا:

"یاهل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمون" (آل عمران:71)

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور جانتے بوجھتے حق کو

کیوں چھپاتے ہو؟

ایک دوسری آیت میں یہود و نصاریٰ کی ملمع سازی ' مکر و فریب اور دھوکہ دہی کی نشان دہی کرتے ہوئے انہیں حاملین علم ہونے کے باوجود کذب و افتراء سے کام لینے پر تنبیہ کی گئی ہے۔

"وان منهم لفريقا يلوون السنتهم بالكتب لتحسبوه من الكتب وماهو من الكتب ويقولون هو من عند الله وما هو من عند الله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون" (آل عمران:78)

اور یقیناً ان میں سے ایک گروہ اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ موڑ کر پیش کرتا ہے تاکہ تم اسے کتاب میں شمار کرو جبکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے ' حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور وہ جانتے ہوئے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

تلاش کار کے اخلاص کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مالک و آقا اللہ سے بدستور علم و معرفت اور حکمت و دانائی کے حصول کی دعا کرتا رہتا ہے۔

"وقل رب زدني علماO" (طہ:114) اور کہہ دیجئے! اے میرے رب! میرا علم بڑھا! دوسری دعا وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی ' اسی لئے اسے دعاء موسوی بھی کہا جاتا ہے اس دعا کے کلمات اس طرح ہیں:

"قال رب اشرح لی صدریO ویسرلی امریO واحلل عقدة من لسانیO یفقهوا قولیO" (طہ:25'28)

اس نے دعا کی: اے میرے پروردگار! میرے سینے کو وا کر دے ' اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی (بند) گرہ کھول دے ' (تاکہ) وہ میری بات سمجھ لیں۔

یاد رہے کہ فن تحقیق عطیہ خداوندی ہے جو اللہ کے کرم و فضل کا حسین ترین ثمر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے راہ راست کے حصول کی دعا کی:

"ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل" (القصص:22)

اور جب وہ مدین کی طرف چلے تو انہوں (موسیٰ) نے کہا: امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے گا۔

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا اقامت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے دوران میں

اخلاص وللہیت مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کسی انسان سے کسی قسم کے صلے اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ تبلیغ و دعوت اور تعلیم و تربیت کا فرض رضا کارانہ طور پر ادا کئے، خود پروردگار عالم نے اس کا اعلان کیا:

"وماتسئلهم عليه من اجر ان هو الا ذكر للعلمين" (یوسف: 104)

اور تم اس (دعوت) پر ان سے کوئی صلہ نہیں مانگتے۔ یہ تو خالصتاً جہان والوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔

سورۃ یٰسین میں ایک مرد مومن نے اپنی قوم کو انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ کرتے ہوئے ان کے اخلاص وللہیت اور بے لوث و رضا کارانہ تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دینے کو اجاگر کیا، جس کا اظہار قرآن نے یوں کیا:

"قال يقوم اتبعوا المرسلين ○ اتبعوا من لا يسئلكم اجرا وهم مهتدون ○" (یٰسین: 20، 21)

اس نے کہا: اے میری قوم! رسولوں کی اتباع اختیار کرو۔ ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی صلہ طلب نہیں کرتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو بھی یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ عبادت کو اللہ کے لئے خالص کر دیں، چاہے یہ چیز مشرکین اور کفار کو ناگوار محسوس ہو:

"قل الله اعبد مخلصا له ديني" (الزمر: 14)

کہہ دیجئے: میں اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

دوسری جگہ بھی اسی سے مشابہ کلمات استعمال ہوتے ہیں صرف ترکیب ذرا مختلف ہے:

"قل انى امرت ان اعبد الله مخلصا له الدين" (الزمر: 11)

کہئے: یقیناً مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے صرف اللہ کی پرستش کروں۔

مومنین کو یوں حکم دیا گیا:

"فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون" (الغافر: 14)

پس تم اللہ اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارو، چاہے کافر اسے ناپسند ہی کریں۔

5- شہادت حق:

حقیقت شناسی ' معرفت حق اور شہادت حق کو تحقیق کے تقاضوں اور اس کے اہداف میں شاہ کلید کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے ان کے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے اخذ کردہ میثاق کا تذکرہ کیا ہے اور انھیں اس کی پابندی کرنے کی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ انھیں اس کا اقرار کرنے اور اس کی گواہی دینے کا حکم دیتے ہوئے خود پروردگار نے بھی اس کی شہادت دی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"قال أقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشہدوا وانا معکم من الشہدین O" (آل عمران:81)

اس (اللہ) نے پوچھا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد (بھی) لے لیا۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: پس تم گواہ رہنا اور میں بھی گواہی دینے والوں میں شامل ہوں۔

اس آیت کے پہلے حصے میں انبیاء کرام سے عہد لینے کا ذکر ہے کہ انھیں کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرنے اور ان کے بعد آخری فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے ان کی تائید و حمایت اور نصرت کرنے کا عہد لیا گیا ہے اور اس پر ان سے شہادت لی گئی ہے اور خود اللہ ذوالجلال والاکرام بھی شاہد قرار پائے۔

جن و انس دونوں تخلیقات الہیہ کا عظیم نمونہ ہیں۔ چنانچہ انسانوں کے علاوہ جنوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی میں قرآن کی آیات سنیں تو اس کی حقانیت اور من جانب اللہ ہونے کے معترف ہو گئے اور کہنے لگے: واقعی موسیٰ کے بعد اللہ کی طرف سے یہ اتارا گیا کلام ہے جو سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے اور حق و صداقت اور راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"قالوا یقومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی مصدقا لما بین یدیہ یہدی الی الحق والی طریق مستقیم" (الاحقاف:30)

انہوں (جنوں کے گروہ نے) کہا: اے ہماری قوم! یقیناً ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد (اللہ کی طرف سے) اتاری گئی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور راہ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

باہمی تجارت اور لین دین کے معاملات کو باقاعدہ دستاویزی شکل دینے کی ہدایت کی گئی ہے

تاکہ بوقت ضرورت کام آئے اور کسی ممکنہ اختلاف رائے اور جھگڑے کا اس کی روشنی میں بہ آسانی حل تلاش کیا جاسکے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 282 اس معاملے میں اساسی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ جس کے مطابق گواہوں کو شہادت حق فراہم کرنے کا پابند کیا گیا ہے اور وہ اس سے انکار نہیں کرسکتے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا" (البقرہ:282)

کہ جب گواہوں کو (شہادت دینے کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

معاشرتی زندگی میں خاندان کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ چنانچہ رشتہ ازواج پر بھی گواہ مقرر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور انھیں نصیحت کی گئی ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر شہادت حق کا فریضہ سرانجام دیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"واشہدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشہادہ للہ ذلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ والیوم الاخر..." (الطلاق:2)

اور اپنے میں سے انصاف کے پابند گواہ بناؤ اور شہادت کو اللہ کی (رضا کی) خاطر قائم کرو۔ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں ان کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے۔

مریم علیہ السلام نے اللہ کے کلمات اور آسمانی کتب کی تصدیق فرمائی۔ ارشاد باری ہے:

"وصدقت بکلمات ربہا وکتبہ وکانت من القانتین" (التحریم:11)

اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ قناعت پسند خاتون تھی۔ روز حساب کے وقت ایک علمی مناقشے کا منظر ملاحظہ کیجئے اور قرآنی فصاحت وبلاغت اور فن اعجاز وبدیع کی داد دیجئے:

"ویوم ینادیہم فیقول این شرکائی الذین کنتم تزعمون ○ ونزعنا من کل امہ شہیدا فقلنا ہاتوا برہنکم فعلموا ان الحق للہ وضل عنہم ماکانوا یفترون ○" (القصص:74،75)

اور جس دن وہ (اللہ) انھیں پکارے گا پس وہ کہے گا: کہاں ہیں وہ جنھیں تم میرے شریک گمان کرتے تھے؟ اور ہر گروہ سے ہم ایک گواہ نکالیں گے۔ پس ہم نے کہا: تم اپنی دلیل لاؤ، پس وہ سب جان لیں گے کہ بلاشبہ سچائی اللہ کے لئے ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ باندھتے تھے۔

6- معاشرتی برائیوں سے اجتناب:

تحقیقی کام معاشرے کے لئے از حد مفید اور کار آمد کارنامہ ثابت ہوتا ہے۔ افراد کے مثبت کام کرنے کی صحیح سمت متعین ہوتی ہے' تلاش کاروں میں محنت و جانفشانی صبر و استقامت' جرات و استقلال' ثابت قدمی و پامردی' حوصلہ و ہمت اور اخلاص و نیک نیتی جیسی حسین معاشرتی اقدار جنم لیتی ہیں اور معاشرہ مجموعی طور پر میرے ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔ تمام منفی قدریں دم توڑ دیتی ہیں' اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ معاشرے کی ترقی و کامیابی کی منازل طے کرنے کے راستے میں حائل ہونے والی قباحتوں اور برائیوں کا قلع قمع ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے کذب و افترا' وہم و گمان' افواہ طرازی' مبالغہ آرائی' غیبت و چغل خوری' نفسانی خواہشات بے راہ روی اور دیگر فضولیات پر ضرب کاری لگائی ہے تاکہ اسلامی معاشرے محکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہو اور اس سے متوقع نتائج و ثمرات برآمد ہوں۔ ذیل میں ان تمام معاشرتی برائیوں کے بارے میں قرآنی تعلیمات پر مبنی ہدایات و احکام درج کئے جا رہے ہیں:

✪ کذب و افتراء:

توحید خداوندی کا انکار کرنے والے اور حقیقت ابدی کی تردید کرنے والے اللہ پر کذب و افتراء کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ سب سے بڑے ظالم ہیں۔ ارشاد باری ہے:

"فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا" (الکھف:15)

پس اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

دوسری آیت میں کذب و افترا بازی کے مرتکب انسانوں کو فلاح سے محروم کر دیا گیا ہے:

"فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اوکذب بایٰته انه لایفلح المجرمون" (یونس:17)

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً مجرم (جھوٹے لوگ) کامیاب نہیں ہوں گے۔

قرآن میں یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد و خیالات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے' ان کو کفار و مشرکین سے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور ان کے لئے ہلاکت و بربادی کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد

خداوندی ہے:

"وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصری المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قتلھم اللہ انی یوفکون" (التوبہ:30)

اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ان سے پہلے کافروں کی بات سے ملتی جلتی ہیں۔ ان کو اللہ قتل کرے' کہاں پھرے جاتے ہیں۔

سورۃ المرسلات میں جھوٹے اور حقیقت کی تردید کرنے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی کی وعید سناتے ہوئے کہا گیا:

"ویل یومئذ للمکذبین ○ فبای حدیث بعدہ یومنون ○" (المرسلات:49'50)

ہلاکت ہے اس دن (روز قیامت) جھٹلانے والوں کے لئے۔ پس وہ اس کے (قرآن) بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں تکیر شدہ حصہ سورت میں دس مرتبہ وارد ہوئی ہے۔ جس سے کذب کی مذمت مزید واضح ہوتی ہے۔

سچائی کو اپنانے اور صداقت شعاری کو اختیار کرنے والوں کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری کی نوید دی گئی ہے:

"والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون" (الزمر:23)

اور جو سچائی لایا اور اس کی تصدیق کی' یہی لوگ متقی و پرہیزگار ہیں۔

قرآن حکیم تو ایسی صداقت کا نام دیا گیا ہے جس پر انسان کو یقین کامل اور محکم ایمان ہوتا ہے۔ "وانہ لحق الیقین" (المعارج:51)

اور یقیناً یہ حق اور قطعی یقین (پر مبنی) ہے۔

بعض جہنمی لوگوں کی برائیوں اور جرائم کو شمار کرتے ہوئے کذب و افتراء اور حقیقت کی تصدیق نہ کرنے کو ان میں شامل کیا گیا ہے:

"فلا صدق ولا صلی ○ ولکن کذب وتولی ○" (القیامہ:31'32)

پس اس نے نہ تصدیق (اسلام) کی اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ تکذیب (اسلام) کی اور دور

بھاگ گیا۔

ایک اور آیت میں بدترین کذاب کو ویل و ہلاکت کی وعید سناتے ہوئے کہا گیا ہے:

"ویل لکل افاک اثیم" (الجاثیہ:7)

ہلاکت ہے ہر بڑے بہتان طراز اور گنہگار کے لئے۔

✪ وہم و گمان:

اسلام کی بنیاد یقین محکم اور ایمان کامل پر قائم ہوتی ہے۔ اس میں اضطراب' بے یقینی اور وہم و گمان کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کبھی حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں۔ منافقین اکثر اس بیماری کا شکار تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

"ومایتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا" (یونس:36)

اور ان میں سے اکثر گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ یقیناً گمان حقیقت میں سے کچھ بھی کفایت نہیں کرتا۔

سورہ الانعام میں ہے:

"وکذب بہ قومک وھو الحق قل لست علیکم بوکیل" (الانعام:66)

اور تیری قوم نے اسے (قرآن کو) جھٹلایا جبکہ وہی برحق ہے۔ کہہ دیجئے: میں تم پر کارساز نہیں ہوں۔

یہود اور منافقین کے کردار میں کذب و افتراء اور حرام خوری کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

"سمعون للکذب اکلون للسحت" (المائدہ:42)

وہ جھوٹ کو خوب سننے والے اور بہت زیادہ حرام خوری کرنے والے ہیں۔ سحت کے معنی کسب حرام کے ہیں۔ یوں تو اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن اس لفظ کا غالب استعمال رشوت کے لئے ہے۔ اسی معنی میں یہاں بھی استعمال ہوا ہے اور قرآن میں جہاں بھی وارد ہوا ہے اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یہ گروہ منافقین اور یہود جھوٹ کے رسیا اور پکے رشوت خور ہیں۔ یاد رہے کہ سماع اور کال اول تو مبالغے کے صیغے ہیں' پھر یہ پورے گروہ کی صفت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیماریاں یہود اور ان کے ہم مشربوں پر وبا کی طرح مسلط ہو گئی تھیں اور ان کی پوری قوم ان میں بری طرح مبتلا ہو چکی تھی۔ جھوٹ اور رشوت یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں' جب کسی قوم میں پھیل جائیں تو اس کے اندر سے حق و عدل کا خاتمہ ہو

جاتا ہے۔ لفظ "سحت" جو رشوت اور حرام خوری کے لئے استعمال ہوا ہے' عربی لغت میں اصلا استیصال اور جڑ سے اکھیڑنے کے مفہوم کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے میں یہ امکان ہے کہ رشوت کے مفہوم کے لئے اسی لئے استعمال ہوا ہو کہ یہ چیز تمام عدل وانصاف اور حق وصداقت کی بنیادی ڈھا دیتی ہے۔(۵۵)

اللہ تعالیٰ کی آیات بینات اور نشانیاں صداقت و سچائی پر مشتمل ہوتی ہیں' جنہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا:

"وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمته وهو السمیع العلیم"
(الانعام:115)

اور تیرے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف سے تکمیل پذیر ہوا ہے' اس کے کلمے کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گمان اور اٹکل پچو لگانے والوں کے بارے قرآن نے کہا: **"ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون"** (النساء:116)

وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل پچو سے کام لے رہے ہیں۔

✪ فضول باتیں:

اسی طرح لہو و فضولیات سے احتراز کی مذمت کی گئی ہے اور بغیر علم و معرفت کے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لئے ذلیل اور رسوا کرنے والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذها هزوا اولئک لهم عذاب مهین" (لقمان:6)

اور بعض لوگ فضول باتیں خریدتے (ان میں مصروف رہتے ہیں) ہیں تاکہ بغیر جانے اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے مذاق کے طور پر لیں۔ ان لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

انسان نفسانی خواہشات کے چنگل میں گرفتار رہتا ہے اور من کی باتوں میں آکر اپنی منزل آخرت کو کھو کر دیتا ہے۔ حالانکہ پروردگار تو شہ رگ سے بھی قریب تر ہے اور ہر وقت انسان کی ہدایت و راہنمائی کرتا رہتا ہے' بشرطیکہ انسان بھی ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ قرآن

کریم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد۝" (ق:19)

اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کا دل کن وسوسوں میں ڈال دیتا ہے جبکہ ہم اس کی شہ رگ سے بھی اس کے قریب تر ہیں۔

اسی صداقت کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"وفی انفسکم افلا تبصرون" (الذریات:21)

اور (اللہ) تمہارے دلوں میں ہے' پس تم کیوں نہیں (اسے) دیکھتے؟

ایک اللہ کے پیغمبر نے اپنی قوم کو لہو ولعب' عیش و عشرت اور فضولیات سے منع کیا مگر وہ نہ مانے۔ آخر کار انہوں نے وعید کے انداز میں انہیں کہا: یاد رکھو! ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب تم میری نصیحتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنے معاملے کو اصل کے سپرد کرتا ہوں جو اپنے بندوں کے احوال سے خوب باخبر ہے:

"فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی الله ان الله بصیر بالعباد" (غافر:44)

پس تم عنقریب یاد کرو گے جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنے معاملے کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ بندوں کے (حالات سے) خوب باخبر ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقامت دین کا کام استقامت و ثابت قدمی کے ساتھ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا اور مشرکین کے خواہشات کے برخلاف توحید الٰہی کا علم بلند کرنے کی تلقین کی گئی۔ "فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھوائھم" (الشوریٰ:15)

پس اسی لئے آپ دعوت دیں اور حکم کے مطابق (اس پر) استقامت سے کام قائم رہیں اور ان (مشرکین) کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

نفسانی خواہشات کا پیروکار انسان راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور اس کی سمع و بصر اور قلب و نگاہ کی تمام صلاحیتوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس طرح وہ آخرت سے بے نیاز ہو کر "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" پر عمل پیرا رہتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"افرایت من اتخذ الھه ھواہ واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیه من الله افلا تذکرون۝

وقالوا ما ھی الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر ومالھم بذلک من علم ان ھم الا یظنونO" (الجاثیہ:23'24)

پس کیا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے جانتے ہوئے اسے (اس کی ہٹ دھرمی) کی وجہ اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ پس اللہ کے سوا اسے کون ہدایت دے گا۔ پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: یہ تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہے' اس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور ہمیں زمانہ ہی زندگی اور موت سے دوچار کرتا ہے۔ حالانکہ انہیں حقیقت کا علم حاصل نہیں۔ وہ محض گمان کرتے ہیں۔

جنت الفردوس امن و سلامتی کا گہوارہ ہے اور ہر طرف رافت و رحمت' ہمدردی و خیر خواہی اور شفقت و مہربانی کے حسین جذبات ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

"لایسمعون فیھا لغوا ولاتاثیماO الا قلیلا سلاما سلاماO" (الواقعہ:25'26)

وہ اس (جنت) میں فضول اور گناہ جیسی کوئی چیز نہیں سنیں گے۔ سوائے امن و سلامتی کے قول کے۔

اسلامی معاشرہ نیک' صالح اور خوشگوار ماحول سے قائم ہوتا ہے۔ تمام افراد معاشرہ اس میں شیر و شکر ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے نیک اور خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں۔ در پردہ سازشیں پروان نہیں چڑھتی بلکہ اللہ کا خوف اور تقویٰ و پرہیزگاری موجود ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"یاایھا الذین امنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیه الرسول وتناجوا بالبر والتقوی واتقوا الله الذی الیه تحشرون" (المجادلہ:9)

اے اہل ایمان! جب باہم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مت کرو' بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ سرگوشی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اٹھائے (روز قیامت) جاؤ گے۔

نفسانی حرص و ہوا' بے کار امور اور فضول چیزیں انسان کو عدم تحفظ کا شکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھے صالح بندوں کی حفاظت و سلامتی کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے' لیکن یہ گارنٹی برے کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کو نہیں دی جاتی۔ قرآن کریم میں ہے:

"ولئن اتبعت اھوائھم بعد ماجاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا واق" (الرعد:37)

اور اگر (خدانخواستہ) آپ' علم آنے کے بعد ان (کفار) کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو اللہ کی جانب سے تمہارا کوئی دوست اور محافظ نہ ہو گا۔

✪ غیبت اور بہتان طرازی:

اسلام کا تشکیل کردہ معاشرہ اخوت و بھائی چارہ' اتفاق و اتحاد' محبت و رافت' رحم و کرم' شفقت و مہربانی اور ہمدردی و خیرخواہی جیسی حسین قدروں کا حامل ہوتا ہے۔ تمام افراد معاشرہ باہم شیر و شکر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے پیار و محبت اور رافت و رحمت سے پیش آتے ہیں۔ وہ نفرت و حقارت' مکر و فریب' نوسربازی' چالبازی اور دھوکہ دہی جیسی حقی قدروں سے اجتناب کرتے ہیں اور غیبت و چغل خوری' اتہام و بہتان طرازی اور وہم و گمان سے احتراز کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

"یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب الرحیم O" (الحجرات:12)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے اجتناب کرو۔ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور تم (دوسروں کے عیبوں کی) ٹوہ نہ لگاؤ اور تم میں سے کوئی دوسرے کی چغل خوری نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے' پس تم اسے ناپسند کرتے ہو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

غیبت کے معنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرنے کے ہیں' اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اس کے اس فعل کی خبر اس شخص کو نہ ہو جس کی وہ برائی بیان کر رہا ہے۔ اس خواہش کی بناء پر وہ غیبت صرف ان لوگوں کے سامنے کرتا ہے جو یا تو اس کے ہم راز و ہم خیال ہوتے ہیں یا کم از کم ان سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس شخص کے ہمدرد ہوں گے جس کی وہ غیبت کر رہا ہے اور اس کے سامنے یہ راز فاش کر دیں گے۔ غیبت کی یہی خصوصیت اس کو ایک نہایت مکروہ کام بناتی ہے اس لئے کہ اس سے نہ کسی حق کی حمایت کا مقصد حاصل ہوتا ہے نہ کسی اصلاح کی توقع ہوتی ہے بلکہ ایک بزدل شخص کسی کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش

کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجوہ واسباب تشبیہ یہ ہیں: اول بے خبری کہ جیسے مردے کو اپنی بوٹیوں کے نوچے جانے کی خبر نہیں ہوتی' اسی طرح دوسرے انسان کو اپنی غیبت کئے جانے کی خبر نہیں ہوتی' دوسرے یہ کہ جس طرح ایک آدم خور نے لاش کی بوٹیاں نوچ کر کھالیں' اسی طرح غیبت کرنے والے نے اپنے بھائی کی عزت کا خون پی لیا۔(۵۶)

قرآن کریم نے مسلمانوں کو اخبار و معلومات کو یونہی قبول اور تسلیم کرنے کی بجائے پہلے ان کی مکمل جانچ پڑتال اور پرکھ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ خبر دینے والا انسان کوئی اپنے ذاتی بغض و عناد اور غصہ و ناراضگی کی بناء پر ایسی خبر دے رہا ہو جو اس کے مخالف کے خلاف جاتی ہو۔ افراد کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی طور پر بھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غلط افواہوں کی وجہ سے ایک ملک کی فوجیں دوسرے ملک پر چڑھائی کر دیتی ہیں۔ ایسے خطرناک اور مہلک نتائج سے محفوظ رہنے اور معاشرتی فضا کو مسموم ہونے سے بچانے اور امن و سلامتی کے قیام کے لئے بہتان طرازی سے احتراز کرنا چاہئے اور دوسروں کی فراہم کردہ خبروں کی تحقیق کرنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"یاایها الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهاله فتصبحوا علی مافعلتم ندمین O" (الحجرات:6)

اے اہل ایمان! اگر کوئی فاسق انسان تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی جانچ پڑتال کر لیا کرو' (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم نادانی سے کسی قوم پر چڑھائی کر دو' پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

پاک دامن اور نیک خواتین پر بہتان طرازی کرنے اور زنا کا الزام لگانے والوں پر باقاعدہ حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا ہے:

"والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفسقون O" (النور:4)

اور جو پاکدامن عورتوں پر (زنا کا) الزام لگائیں پھر (اس پر) چار گواہ نہ لائیں' پس تم انہیں 80 کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو' یہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی طرح قصہ افک پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے نہایت ناصحانہ اور اصلاحی اسلوب

سے اس میں حصہ لینے والوں کو چار گواہ پیش نہ کئے جانے پر مذمت کرتے ہوئے اسے "ھذا افک مبین" یہ واضح افترا بازی ہے اور "ھذا بھتان عظیم" یہ بہت بڑا بہتان ہے ' کہنا چاہئے تھا اور بلا تحقیق آگے پھیلانے سے اجتناب کرنا ضروری تھا۔ آخر پھر آئندہ کے لئے ایسے معاملات میں انتہائی احتیاط اور مکمل تحقیق و پرکھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

7- حاصل بحث:

اس باب "تحقیق کے تقاضے" سے حاصل کردہ نتائج درج ذیل ہیں۔

- قرآن نے تمام انسانوں کو بلاتمیز زبان و رنگ و قوم اور قبیلہ مکمل حریت فکر اور آزادی رائے سے ہمکنار کیا ہے۔ اپنے انبیاء و رسول کے ذریعہ اسلام کے عطاء کردہ صراط مستقیم کے خدوخال کو واضح کیا گیا اور لوگوں کو اسے اختیار کرنے اور ٹھکرانے کا اختیار بھی دیا ہے۔
- تحقیق کے تقاضوں کے مطابق فہم و ذکاء اور عقل و شعور کی شمعیں روشن کی گئی ہیں اور انسان کو سوچ وبچار اور غوروفکر کر کے زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ اور درست رویہ اپنانے کی دعوت دی گئی ہے۔
- اختلاف رائے کی صورت میں دلیل کی بناء پر اسے حل کرنا تحقیق کا اہم تقاضا ہے' قرآن کریم نے حسن اختلاف کو فروغ دیا ہے۔
- امانت ودیانت اور اخلاص و نیک نیتی تلاش کار کا نہایت موثر ذریعہ ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ اور محور انسان کی نیت ہے "اور انما الاعمال بالنیات" کے مطابق انسانی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔
- علم یقینی کا حصول اور صداقت کو پانے کے بعد' تحقیقی تقاضوں کے مطابق حق کی شہادت فراہم کرنا ہے۔ قرآن کریم نے شہادت حق کو حضور صلعم کی شہادت کے ساتھ ہم آہنگ قرار دیا ہے۔
- تحقیق کتب' تخلیقی کارنامے اور فکری وعلمی منصوبے مثبت جذبوں سے تکمیل کے مراحل طے کرتے ہیں۔ لہذا محققین کے ذاتی و انفرادی کردار کی اصلاح کو اس ضمن میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محقق معاشرتی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے تحقیقی عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ دوسرے تلاش کاروں کے ساتھ اس کے تعلقات اخوت' شفقت' مہربانی'

ہمدردی' خیر خواہی ورگزری' رحمدلی اور باہمی تعاون کے ہوتے ہیں۔

- آئندہ باب "تحقیق کے طریقے" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے' جس میں اسالیب و مناہج تحقیق کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور قرآنی نصوص کی روشنی میں ان کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

⊛ ⊛ ⊛

پانچواں باب

تحقیق کے طریقے

گزشتہ ابواب میں ہم تحقیق کا مفہوم، تحقیق کے اغراض و مقاصد اس کے بنیادی عوامل و ارکان اور تحقیق کے تقاضوں کے بارے میں ممکنہ حد تک قرآنی تعلیمات کی روشنی میں معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ پانچواں باب تحقیق کے طریقوں پر مبنی ہے۔ تحقیق ایک وسیع میدان ہے، جس کے اصول و فروعات مختلف شعبہ ہائے حیات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ موضوع کے چناؤ سے لے کر تحقیقی مقالے کی تقدیم تک تلاش کار کو کئی ایک مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ تحقیق کے طریقے میں وہ تمام قدیم و جدید، نظری و عملی اور انفرادی و اجتماعی اسالیب شامل ہیں، جن سے عمل تحقیق کی تیاری اور تکمیل میں تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کارخیر میں دوست دشمن، اپنے و پرائے، خیرخواہ و بدخواہ اور ہم مسلک و مختلف خیال کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور زمان و مکان، آرام و راحت اور حدود و قیود اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں۔ محقق اول و آخر حق کا متلاشی اور معرفت کا طلبگار ہوتا ہے، وہ یہ کہ دمہ، چھوٹے وبڑے اور امیر و غریب سے مطلوبہ مواد جمع کرتا ہے، اس کو تحقیق کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ اگر اس کے موضوع کی ضرورت پوری کرتا ہو تو محفوظ کرلیتا ہے اور اسے باقاعدہ ضبط تحریر میں لاکر ریکارڈ کرلیتا ہے۔

معلومات واخبار جمع کرنے کے مختلف طریقے پائے جاتے ہیں اور تحقیق کنندہ ان سب طریقوں کو استعمال میں لاتا ہے، اسی طرح ان کے مصادر و ذرائع بھی متعدد الانواع اور بہ کثرت ہیں۔ ان تمام سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ قرآن ایک عالمی اور ہمہ گیر و جامع دستور حیات ہے، جو ارض و سما کی وسعتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ چنانچہ تحقیق کی جولان گاہ میں اپنے اسپ شہ تیزی کو خوب دوڑانے اور اپنی تمام ممکنہ صلاحیتوں کو اچھی طرح اجاگر کرنے کا پورا موقع دیا گیا ہے۔

قرآن کی فراہم کردہ نگاہ بصیرت میں علم کا مصدر اولیں (Primary source) وحی خداوندی قرار پاتا ہے۔ جس کا سلسلہ تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات تک پھیلا ہوا ہے۔ گویا علم لدنی ایک تحقیقی طریقہ تحقیق ہے اور یہی اصلی ذریعہ معرفت و منبع شریعت اور دستور زندگی ہے،

جس سے انسانی زندگی کے تمام گوشے سیراب کیے جاتے ہیں۔ نصوص قرآنیہ میں تاریخی واقعات سے استشہاد اور آثار قدیمہ سے دلائل اخذ کیے گئے ہیں اور انہیں لوگوں کے سامنے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام اور عباد الرحمٰن نے اخذ علم کی خاطر علمی رحلات واسفار اختیار کیے جو دور جدید میں بھی تحصیل علوم وفنون کا معتبر ترین وسیلہ شمار کیا جاتا ہے۔ انفرادی منصوبہ بندیوں، فردی جہود کے ساتھ ساتھ اجتماعی پراجیکٹ اختیار کرنا بھی ضروری ہے، جس کی واضح امثلہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔

جدید تحقیقی نظریات اور معاصر تعلیمی افکار میں علمی مسابقات اور فکری مذاکروں کو اساسی کردار دیا گیا ہے۔ قرآن قدیم وجدید علوم کا حسین امتزاج ہے، اس میں جدید تعلیمی اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسلام کی دعوت کا پرچار کرنے اور تحریک اسلامی کو فروغ دینے کی خاطر ان معیارات اور سانچوں کا کما حقہ لحاظ رکھا گیا ہے۔

قرآن میں تحقیق کے دیگر طریقوں میں سے تقسیم اور درجہ بندی (Classification) اور تعلیمی وسائل اور سمعی وبصری معاونات کا اعتبار کیا گیا ہے اور اقامت دین کے فریضے کو سرانجام دیتے ہوئے خالصتاً علمی انداز میں دلائل وبراہین کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔

ذیل میں ہم اپنے محترم قارئین کے استفادے کے لئے مذکورہ بالا طریق تحقیق پر مبنی قرآنی آیات ونصوص کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں:

1- علم کا مصدر اولیں:

مستند تحقیق کے لئے معتبر مصادر کا ہونا از حد لازمی ہے۔ مراجع اور مصادر کے باب میں اولیں مصادر کو ثانوی مصادر پر بدرجہا فوقیت دی جاتی ہے بلکہ ثانوی مصادر کا جواز اصلی مصادر کی عدم دستیابی کی صورت میں بنتا ہے۔ قرآن حکیم کی یہ امتیازی صفت ہے کہ اس نے اسلامی تعلیمات اور دعوت اسلامی کی پوری کی پوری عمارت کی بنیاد علم کے مصدر اولیں "وحی" پر رکھی ہے، جس کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات اور تحقیقیں سو فیصد صحیح اور معتمد ہیں، ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کی سورۃ البقرہ کا آغاز "الم ○ ذلک الکتب لا ریب فیہ" الف لام میم، اس کتاب میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ قرآنی آیات کا باہمی نظم وضبط، ربط ونسق اور ترتیب وتنظیم ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں۔

جب دانائے سبل' مولائے کل اور ختم الرسل پر پہلی مرتبہ وحی کا نزول ہوا' اس کے بابرکات الفاظ ملاحظہ کیجئے۔ جو اپنی صداقت و سچائی پر خود ہی شاہد عدل ہیں' جو ایک طرف صاحب کرم و فضل اللہ تعالیٰ کو منتہائے وحی اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمان وحی و رسالت قرار دے رہے ہیں:

"اقرا وربک الاکرمO الذی علم بالقلمO علم الانسان مالم یعلمO" (العلق:1'3)

پڑھئے اپنے صاحب کرم رب کے نام سے' جس نے قلم کے ساتھ سکھایا' اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

وحی کو بطور مصدر اولیں ہونے پر خود کلام اللہ دلیل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **"وما ینطق عن الھوی O ان ھو الا وحی یوحیO"** (النجم:3'4)

اور وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ تو صرف وحی ہے جسے وحی کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: **"فاوحی الی عبدہ مااوحیO"** (النجم:10)

پس اپنے بندے کی طرف اس (اللہ) نے وحی کیا جو کچھ وحی کیا۔

اس سورۃ میں دل و زبان اور قلب و نگاہ کی تمام قوتوں کی تصدیق فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناطق وحی تھے' ان کے دل نے "آنکھوں دیکھا حال" کی تصدیق کی اور ان کی آنکھ نے ٹکٹکی باندھ کر درست دیکھا اور جھپکی تک نہیں۔ اس حقیقت پر آیات **"وما ینطق عن الھوی"** اور وہ خواہش سے گویا نہیں ہوتے **"ماکذب الفواد مارای"** دل نے جو دیکھا اس کی تصدیق کی اور **"مازاغ البصر وماطغی"** آنکھ ٹیڑھی نہیں ہوئی اور نہ اس نے زیادتی کی۔

وحی اہل علم کے لئے یقین و معرفت کا موثر ذریعہ ثابت ہوئی اور اس سے انہیں خشیت الٰہی نصیب ہوئی اور صراط مستقیم کی منزل ان پر عیاں ہوتی۔

"ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک فیومنوا بہ فتخبت لہ قلوبھم وان اللہ لھاد الذین امنوا الی صراط مستقیمO" (الحج:54)

اور تاکہ اہل علم جان لیں کہ یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے برحق ہے' پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کے لئے جھک جائیں اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ

کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

دوسری طرف مشرکین کی پوجاپاٹ کو بلادلیل و ثبوت قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"ویعبدون من دون الله مالم ینزل به سلطنا وما لیس لهم به علم" (الحج:71)

اور وہ اللہ کے سوا اس کی پوجا کرتے ہیں جس کے ساتھ (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری اور جس کے بارے (خود) انہیں بھی کوئی علم حاصل نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے خطاب کرتے ہوئے بھی اس حقیقت کی پردہ کشائی فرمائی تھی کہ ان پر نازل شدہ علم وحی برحق ہے لہذا ان کے والد کو عبادت غیراللہ کو ترک کرکے اس علم حقیقی کو اپنانا چاہئے۔ قرآن میں ہے:

"اذ قال لابیه یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا○ یابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اهدک صراطا سویا○" (مریم:42'43)

جب اس ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہا: اے میرے والد! تو اس کی کیوں پوجا کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور تمہیں کوئی فائدہ دے سکتا ہے؟ اے میرے ابا جان! یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا پس تو میری پیروی کر! میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کو مبنی برحق و صداقت اور مسائل و احکام کی بہترین تشریح و تفسیل کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"ولا یاتونک بمثل الا جئنک بالحق واحسن تفسیرا" (الفرقان:33)

اور وہ تمہارے پاس کوئی بھی مثال لاتے ہیں تو ہم تمہیں حق لا دیتے ہیں اور اس کی بہترین تشریح کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا گیا کہ وہ تو امی تھے' اللہ نے اپنی رحمت سے ان پر حضرت جبرئیل کے ذریعہ علم وحی نازل فرمایا جس کی بدولت وہ مینارہ روشنی بن گئے اور تمام جہانوں کے لئے رہبرو رہنما قرار پائے۔

"وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری مالکتب ولا الایمان ولکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانک لتهدی الی

صراط مستقیم" (الشوریٰ:52)

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی) روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے) کہ ایمان (کس کو کہتے ہیں) مگر ہم نے اس (روح) کو ایک نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں (دین کا) راستہ دکھاتے ہیں اور بلاشبہ تم لوگوں کو راہ راست دکھا رہے ہو۔

اسی سورت کی ایک دوسری آیت میں وحی کے مختلف اسلوب اور طریقے بیان کیے گئے ہیں جو کہ قلب پیغمبر پر القاء والہام یا براہ راست پردے کے ماوراء پروردگار ہمکلام ہوتے ہیں یا فرشتے کے ذریعے جو اللہ چاہتا ہے وحی فرماتا ہے:

"وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورای حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء انہ علی حکیمO" (الشوریٰ:51)

اور (دیکھو) کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) کلام کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے پردے کے ماوراء یا وہ پیغامبر (فرشتے) کو (اس کے پاس) بھیجتا ہے اور وہ اللہ کے حکم سے جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا ہے وحی کرتا ہے' بیشک وہ عالی مقام (اور) حکمت والا ہے۔

2- تاریخی استشہاد اور آثار قدیمہ:

علمی و تحقیقی دنیا میں تاریخی شہادت اور آثار قدیمہ کو نہایت معتبر مرجع اور ریفرنس کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید دور میں اہرام مصر' ہڑپہ اور ٹیکسلا سے قدیم تہذیبوں کے آثار و نقوش کی کھدائی جاری ہے اور وہاں سے منکشف ہونے والے تحفے تاریخی استشہاد اور آثار قدیم کا بہترین ذریعہ شمار کیے جاتے ہیں۔

تاریخی واقعات اور آثار قدیمہ کی تحقیق وپڑتال نسل انسانی کا بہت بڑا علمی و فکری سرمایہ ہے۔ اس کے بغیر تحقیقی کارنامے سرانجام دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے لوگوں کو گزشتہ ادوار میں تباہ وبرباد ہونے والی اقوام کے تباہ شدہ کھنڈرات کے آثار و نقوش کی سیر کرنے اور ان سے عبرت و موعظت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجاء ھم

وسلهم بالبینت فما کان الله لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون"
(الروم:9)

کیا انہوں نے زمین میں سیر کر کے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ طاقت میں ان سے زیادہ سخت تھے اور انہوں نے زمین میں ہل چلائے اور اسے ان سے زیادہ آباد کیا اور ان کے رسول ان کے پاس واضح آیات لائے۔ پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

سورۃ الفیل مکمل تاریخی استشہاد کا بہترین نمونہ ہے۔ کہ کس طرح پروردگار نے عام الفیل مکہ مکرمہ میں واقع اللہ کے گھر (بیت الحرام) پر حملہ آور ہونے والے ابرہہ اور اس کے ساٹھ ستر ہزار کے لشکر جرار کو نیست ونابود کر دیا اور علامہ اقبال کے بقول "لڑا دے ممولے کو شہباز سے" ابابیل پرندوں کے ذریعے ان کے ہاتھیوں اور ان پر کنکریوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کی تباہ کن بارش کر دی' جس کے نتیجہ میں ان میں سے اکثر واپس جاتے ہوئے موت کے منہ میں چلے گئے اور باقی ماندہ جلد کی مہلک بیماری سے دوچار ہو گئے جس سے وہ کبھی جانبر نہ ہو سکے۔ یہ واقعہ قریش اہل مکہ اور پورے عالم انسانیت کے لئے تازیانہ عبرت اور مقام موعظت کی حیثیت رکھتا ہے۔

سورت الفیل کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے اور اللہ کی قدرت کاملہ پر ایمان ویقین مستحکم کیجئے۔

(اے پیغمبر!) کیا تم اس بات پر نظر نہیں کی کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو (سرتاپا) غلط نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے جو ان پر کنکر کی پتھریاں (اوپر سے) پھینکتے تھے پھر اللہ نے ان کو (جانوروں کے) کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور کا "طوفان نوح" تاریخی اعتبار سے ایک حقیقت ثابتہ ہے اور کشتی نوح کے بارے قرآن کا بیان "واستوت علی الجودی" کہ وہ جودی پہاڑ پر جا ٹھہری' ایک مسلم واقعہ ہے۔ جس کی شہادت دور حاضر کی جدید تحقیقات نے جودی پہاڑ پر عراق میں موجود کشتی کے بقیہ آثار کی کھوج نکال کر فراہم کر دی ہے۔ اسی طرح عاد و ثمود اور ہود و صالح' ولوط کی قوموں کے واقعات محکم تاریخی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ فرعون کی لاش اور ابوالہول اور اہرام مصر اور دیگر آثار فرعنہ آثار قدیمہ کی انمٹ دلائل وبراہین ہیں جنہیں کسی صورت ٹھکرایا نہیں جا سکتا اور قرآن نے "الیوم ننجیک ببدنک" آج ہم تیری لاش کو نجات دیں

گے کی پیش گوئی کر کے اپنی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جس پر دنیائے کفر اور یہود و ہنود پر گواہ ہیں۔

3- علمی رحلات و اسفار (Educational trips / tours):

تعلیم کی دنیا میں علمی رحلات و اسفار کو حصول تعلیم و تفریح کے لئے بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ ادبی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا یہ اہم ترین جزو شمار کیا جاتا ہے۔ اگر ہم سکولوں' کالجوں اور جامعات کے سالانہ تعلیمی کیلنڈروں کا جائزہ لیں تو ہمیں سالانہ' ششماہی بنیادوں پر یا سیمسٹرز سسٹم میں سیمسٹرز ختم ہونے پر علمی رحلات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عام طور پر موسم کی خیال کرتے ہوئے گرمی اور سردی کے دوران سرد اور گرم مقامات کے دورے کرائے جاتے ہیں' تاکہ صحت مند اور خوشگوار ماحول میں قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کافی حد تعلیمی ضرورت کو بھی پورا کر سکیں۔

قرآن کریم کے مطابق حضرت موسیٰ ابراہیم علیہ السلام نے عراق' شام اور فلسطین کے سفر اختیار کئے اور ان کی بدولت خانہ کعبہ کی تعمیر' عبادت حج اور عمرہ کا اجراء اور فریضہ قربانی کا آغاز ہوا۔ جس پر پوری امت مسلمہ رہتی دنیا تک ان کی مرہون منت رہے گی' اس لئے قرآن نے انہیں ایک فرد ہوتے ہوئے مکمل "امت" کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے سفر پر ارسال فرمایا گیا جہاں سے واپسی پر کوہ طور پر انہیں پروردگار سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور ان پر تورات کو نازل کر کے انہیں نبوت و رسالت کے جلیل القدر منصب سے نوازا۔ اسی طرح انہیں مجمع البحرین (دجلہ و فرات کے باہمی سنگم) پر خضر علیہ السلام کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے کے لئے طویل اور تھکا دینے والا سفر اختیار کرنا پڑا' جس کے دوران ان کے ایک عزیز بھی ان کے ساتھ تھے۔ قرآن کریم نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

"فوجدا عبدا من عبادنا اتینه رحمة من عندنا وعلمنه من لدنا علما" (الکھف:65)

پس ان دونوں (موسیٰ اور ان کے ساتھی) نے ہمارے بندگان میں سے ایک بندے کو پایا' جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے اسے حقیقی علم سکھایا تھا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت دین اور دعوت اسلام کی غرض سے طائف کا

تکلیف وہ سفر اختیار کیا اور آپ کا آخر سفر مدینہ کی طرف ہجرت کی شکل میں پیش آیا' جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم' مہاجرین وانصار اور تمام امت مسلمہ کے لئے نہایت مبارک اور باعث برکت و رحمت ثابت ہوا۔

جن طلباء میں صلاحیت وشوق ہو' انہیں مختلف اسلامی علوم وفنون کے حصول کی خاطر فارغ کرنے اور علمی اسفار و رحلات اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون O" (التوبہ:122)

پس ان کے ہر گروہ میں سے ایک ٹیم کیوں نہیں نکلتی تاکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں (حصول علم کے بعد) تو انہیں ڈرائیں (اللہ کے عذاب اور سزا سے) شاید وہ ڈر جائیں (اللہ و آخرت سے)

4- اجتماعی پراجیکٹ (Team project):

تعلیمی اور تحقیقی میدان میں انفرادی اور اجتماعی منصوبے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ طلباء' وتلاش کاروں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض طلباء انفرادی طور پر اچھی کارکردگی نہیں دکھاتے' لیکن اجتماعی طور پر منصوبوں کی تکمیل میں ان کی کارکردگی شاندار ہوتی ہے' کیونکہ نمائش' نام ونمود اور داد وتحسین انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جذبوں کے اظہار کا بہترین ذریعہ اجتماعی پراجیکٹ ہے۔ کچھ لوگوں میں قابلیت موجود ہوتی ہے مگر اسے نکھارنے اور جلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتماعی منصوبوں کو سرانجام دیتے ہوئے انسان میں خود بہ خود دوسروں کو دیکھ کر تحریک عمل پیدا ہوتی ہے اور وہ کارہائے نمایاں کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے "صلوۃ الخوف" (ڈر کے وقت کی نماز) کو ایک اجتماعی پراجیکٹ کے طور پر مسلمانوں پر عائد کیا اور صحابہ کرام ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت وامامت میں یہ نماز ادا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ کو صلوۃ الخوف پڑھائی۔ لوگ دو صفوں میں کھڑے ہو گئے ایک صف آپ ؐ کے پیچھے تھی اور دوسری صف دشمن کے خلاف کھڑی تھی۔ دونوں صفوں نے باری باری ایک رکعت نبی اکرم ؐ کی امامت میں پڑھی اور دوسری رکعت کھڑے ہو کر مکمل کر لی جبکہ ایک صف اپنی باری کے موقع پر

دشمن کے مقابلے میں ڈٹی رہی۔(57)

دوسرا اجتماعی پراجیکٹ سکندر مقدونی (ذوالقرنین) کا بنایا جانے والا سد سکندری (دیوار چین) ہے۔ جس کی تفصیل قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ ترجمہ درج ذیل ہے:

"پھر اس نے ایک اور مہم کے لئے سروسامان کیا یہاں تک کہ (چلتے چلتے) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا تو ان کے آس پاس اسے ایک قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی۔ انہوں نے کہا: "اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج (منگول قبائل جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملہ کرتے رہے ہیں) (ہمارے) ملک میں بڑا فساد برپا کرتے ہیں تو کیا ہم تیرے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ (دیوار) بنا دے۔" اس نے کہا: "میرے رب نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے۔ تم محنت سے میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا۔ تم مجھے لوہے کی چادریں لا دو (انہوں نے تعمیل کی) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان (موجود خلا) کو اس نے پاٹ دیا تو حکم دیا کہ "بھٹی سلگاؤ اور) اسے دھونکو' یہاں تک کہ جب اس (آہنی دیوار) کو انگارا (لال) کر دیا تو کہا: (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اس (دیوار) پر انڈیل دوں" چنانچہ (ایسی اونچی مضبوط دیوار تیار ہو گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے' نہ اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے۔ (ذوالقرنین نے) کہا یہ سب کچھ میرے رب کی مہربانی ہے مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے" (الکہف:94'98)

اتنی محکم اور مضبوط دیوار پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

"وتركنا بعضهم يومئذ يموج في بعض ونفخ في الصور فجمعنهم جمعا0 وعرضنا جهنم يومئذ للكفرين عرضا0" (الکہف:99'100)

اور (جس دن یہ بات ظہور میں آئے گی تو) اس دن ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ وہ (سمندر کی لہروں کی طرح) ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا' پھر ہم سب انسانوں کو (میدان حشر) میں جمع کریں گے اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔

ایک نہایت ہی خفیہ (Most confidental) اجتماعی منصوبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور اللہ تعالیٰ کے مابین طے پایا' جسے ان کی بہن کی تائید و عملی تعاون بھی حاصل تھا۔ اس کی

تفصیل یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی لہروں کے حوالے کر دیا' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا" ان کی بہن کنارے کے ساتھ ساتھ چلتی رہی یہاں تک کہ اسے فرعون کی بیوی نے اپنے نوکروں کی مدد سے نکال کر شاہی محل میں رکھ لیا گیا۔ دودھ پینے کا موقع آیا تو بچے نے ماں کے علاوہ کسی اور خاتون کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ آخر کار ا میں اپنی ہی والدہ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام شاہی انتظامات کے تحت جوانی کے عالم میں داخل ہو گئے۔ اس پر قرآن نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"فرجعنک الی امک کی تقر عینها ولا تحزن" (طہ:40)

پس ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔

5- علمی مقابلے اور فکری مذاکرے:

علمی مقابلے اور فکری مذاکرے تحقیق کی روح اور جان ہوتے ہیں اور کسی بھی معاشرے کے استحکام اور ترقی کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ جدید دور میں اس کی مثال واٹر پولو کی جنگ سے دی جاتی ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ یورپ کی دانش گاہوں میں واقع ایڈیٹوریم میں لڑی گئی تھی۔ تقریری مباحثے' تحریری مضامین کے مقابلے' تحقیقی مقالہ جات اور فکری و علمی سیمینارز معاشرے کے معروضی حالات کا صحیح صحیح جائزہ پیش کرتے ہیں' اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہیں' قباحتوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کا ممکنہ حل تجویز کرتے ہیں اور مستقبل کے لئے جدید مفید رجحانات و میلانات کی طرح ڈالتے ہیں۔

قرآن حکیم نے تحقیق کے اس طریقے کو فروغ دیا ہے اور علم و معرفت اور آرٹ و فن کی کامیابیوں پر غرور و گھمنڈ کو تباہ کن قرار دیا ہے۔ اس کی بجائے تواضع و انکساری کو اپناتے ہوئے کامیابی کے ہر قدم پر سجدۂ شکر بجا لانے کی نصیحت کی ہے اور پروردگار سے مزید علمی ترقی کی دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ "فوق کل ذی علم علیم" ہر صاحب علم سے بڑا عالم موجود ہوتا ہے' کا قاعدہ ترتیب دے کر علوم و فنون کو ترقی پذیری سے ہمکنار کیا ہے۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت کی صداقت پر دلیل لانے کا چیلنج دیا اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ملک بھر سے جادوگر جمع کر کے ایک بہت بڑے تماشے کا اہتمام کیا جس کے دوران عصائے موسوی اور ید بیضاء کے خدائی معجزے اور کرشمہ سازی نے تمام

جادو گروں کی شعبدہ بازیاں کالعدم کر دیا۔

فرعون نے کہا تھا: "قال ان کنت جئت بآیة فات بھا ان کنت من الصدقین" (اعراف:106)

اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اسے پیش کرو بشرطیکہ تم سچے ہو۔ چنانچہ جب عصائے موسوی کے بڑے اژدھا نے جادو گروں کی تمام سپیوں کو ہڑپ کر لیا تو وہ سب راہ فرار اختیار کر گئے اور مجمع پر حق واضح ہو گیا:

"فوقع الحق وبطل ماکانوا یعملون○ فغلبوا ھنالک وانقلبوا صغرین" (الاعراف:118'119)

پس حق ثابت ہو گیا اور ان کی کرتوت باطل ہو گئی۔ پس وہاں پر وہ مغلوب ہو گئے اور رسوا ہو کر لوٹ گئے۔ کفار و مشرکین کا علم ہمیشہ سطحی ہوتا ہے اور حقیقت تک وہ رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"بل ادرک علمھم فی الاخرة بل ھم فی شک منھا بل ھم منھا عمون○" (النمل:66)

بلکہ ان کا علم آخرت کے ادراک سے قاصر ہے' وہ تو اس کے بارے (آخرت) تک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

قرآن کریم نے مشرکین کو چیلنج دیتے ہوئے کہا: تم فیصلے کس بنیاد پر صادر کرتے ہو؟ اگر تمہارے پاس کوئی علمی دستاویز ہو تو لاؤ۔

"مالکم کیف تحکمون○ ام لکم کتب فیه تدرسون○" (القلم:36'37)

تمہیں کیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے لئے کوئی کتاب ہے جس کو تم پڑھتے ہو؟

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس واضح دلیل ہے تو پیش کرے۔

"ام لھم سلم یستمعون فیه فلیات مستمعھم بسلطن مبین" (الطور:38)

کیا ان کے لئے سیڑھی ہے' جس کے ذریعہ یہ سن لیتے ہیں (اگر ایسا ہے) تو ان میں سے سننے والا واضح دلیل لائے۔

یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور ان کے پاس کوئی برہان اور دلیل نہیں

ہے جو کفر و شرک کو صحیح طرز عمل اور درست رویہ زندگی کے طور پر ثابت کر سکے۔

اس کے مقابلے قرآن کی صداقت و حقانیت کی قسم کھائی گئی۔ ارشاد خداوندی ہے:

"والطور وکتاب مسطور○ فی رق منشور○" (الطور: 1'3)

قسم ہے (کوہ) طور کی اور مرقوم کتاب کی جو کہ پھیلے ہوئے اوراق میں (محفوظ) ہے۔

دوسری آیت کریمہ میں قرآن کریم کو لوح محفوظ میں مستور حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے' جسے صرف پاکباز اور صالح لوگ چھونے کا حق رکھتے ہیں۔

"انه لقران کریم○ فی کتب مکنون○ لایمسه الا المطهرون"

(الواقعہ: 77'79)

یقیناً یہ معزز قرآن ہے' جو لوح محفوظ میں (مستور) ہے' جسے پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

6- تقسیم و درجہ بندی (Evaluation and grading):

تحقیق عمل کی تقسیم اور درجہ بندی تلاش کار کی مزید کام کے لئے حوصلہ افزائی کا سامان فراہم کرتی ہے اور دوسرے محققین کے لئے نشان راہ کا کام دیتی ہے۔ تخلیق ارض و سما میں پروردگار نے تقسیم اور درجہ بندی کو بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"ذلک تقدیر العزیز العلیم" (الانعام: 96)

یہ (اللہ) غالب اور صاحب علم کی تقسیم ہے۔

قرآن کریم نے اساسی طور پر انسانوں کو مومن' کافر' منافق اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کیٹگریوں میں تقسیم کیا ہے اور ان کی امتیازی صفات و خوبیوں اور نیک و بد اعمال و افعال کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ کے آغاز ہی میں مومنین و کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مومنین کی امتیازی اوصاف میں ایمان بالغیب ایمان باللہ' ایمان بارسل' ایمان بالآخرۃ' ایمان بالکتب' زکوٰۃ اور نماز کی ادائیگی اور صدقہ و خیرات کرنا' کو شمار کیا گیا ہے اور انہیں رشد و ہدایت کے اہل اور تقویٰ و پرہیزگاری سے متصف قرار دیا گیا ہے۔

دوسری طرف منکرین خدا (کفار) کو عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے اور ان کے سمع و بصر اور قلب و نگاہ کی تمام صلاحیتوں پر پہرے لگنے اور قفل و پردے چڑھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقین کا اسی سورہ البقرہ کے ربع اول ہی میں ذکر کیا گیا ہے اور ان کے دہرائے منافقانہ کردار اور گھناؤنی سازشوں کا بیان ہے کہ وہ مکر و فریب' دھوکہ دہی' اضطراب و بے چینی اور وہم

و گمان کی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ وہ حرص و ہوا اور نفسانی خواہشات کے بندے ہیں۔ جہاں کہیں انھیں اپنا فائدہ اور مفاد نظر آتا ہے وہاں وہ بچھے بچھے جاتے ہیں' مگر جونہی ان کا مفاد اور مصلحت ختم ہوئی وہ اپنی نگاہیں بدل لیتے ہیں' یقیناً یہ گروہ کفار اور یہود و ہنود سے بھی خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے بندوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے انھیں عبادالرحمن اور عبدہ الشیاطین (اللہ کے بندے اور شیطانوں کے پرستاروں) میں تقسیم کیا ہے اور دونوں کے خدوخال نہایت خوبصورتی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ مزید برآں عبدالرحمان کو اعمال صالحہ' نیک کاموں اور عمدہ خوبیوں میں سبقت لے جانے اور تقرب الی اللہ' خشیۃ اللہ اور تقویٰ کے اعتبار سے اور زیادہ قسمیں کر دی گئی ہیں۔ جنت میں اصحاب جنت کے مختلف درجات و مراتب ہوں گے۔ جس سے درجہ بندی کی اہمیت مزید واضح ہوتی ہے۔

7- دعوت کا علمی انداز (Scientific method of preaching):

تخلیقی ادب اور تحقیقی ادب میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ادب جذباتی سیلاب کا ایک ریلا ہوتا ہے جس کا انحصار سراسر میلان طبع پر ہوتا ہے جبکہ تحقیقی کام حقائق کی چھان پھٹک کا منطقی نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک ادیب ایک ذرہ سے خیال کو لے کر الفاظ کے رنگا رنگ جامے پہنا کر کوئی صفحات پر پھیلا سکتا ہے جبکہ ایک محقق حقائق کی پرکھ پڑتال کے بعد اپنے نتائج مختصر' جامع اور سائنسی انداز میں پیش کرتا ہے۔ شعر کہنے اور قصیدہ گوئی کے لئے کتب اور تربیت ضروری نہیں بلکہ ایک شاعر طبعی طور پر اس جذبہ سے لیس ہوتا ہے۔ مطالعہ کتب بھی اس کے لئے ضروری نہیں بلکہ مظاہر فطرت کی ایک تحریک شعری صورت میں ڈھل جاتی ہے۔

اس کے برعکس تحقیق ایک سنگلاخ زمین ہے جس سے پیداوار حاصل کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ مطالعہ اور غور و فکر کا کھیل ہے۔ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے عقل سلیم اور ذہنی بیداری کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ یہ دعویٰ اور دلیل کے ساتھ چلنے کا نام ہے۔ دعویٰ کی تائید یا تردید کے لئے ایک وکیل کی طرح سینکڑوں حوالوں اور دلائل و براہین کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات درجنوں کتابیں پڑھنے سے بھی ہماری دلیل کے لئے ایک نقطہ تک نہیں ملتا۔ تحقیق واقعات و حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ہے' جس کے لئے صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت محقق میں موجود ہونی چاہئے۔ تحقیق یقیناً ایک کٹھن اور مشکل کام ہے۔ اس کے لئے وسیع مطالعہ اور ایک منطقی

مزاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی مصادر و مراجع سے آشنا ہو اور پھر ان سے استفادہ کی بھی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ تحقیق موضوع کے پس منظر اور پیش منظر سے بخوبی آگاہ ہو۔ مواد کو سائنسی انداز میں مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پھر اس سے نتائج اخذ کرنے کا فن بھی اسے آتا ہو۔ ایک محقق دوسرے لوگوں کے لئے کام کرتا ہے۔ اپنے نتائج کا عملی اطلاق جہاں وہ خود بھی کر سکتا ہے وہاں اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے۔(۵۸)

قرآن کے مطابق دعوت الی اللہ اور اقامت دین کا فریضہ ادا کرنے سے افضل کوئی کام نہیں اور داعیہ کے اوصاف میں عمل صالح اور اطاعت خداوندی اور فرمان برداری رسول اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

"ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین" (فصلت:33)

اور اس سے بہترین بات کس کی ہے جو دعوت الی اللہ کا کام کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے اور کہتا ہے: بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

چنانچہ دعوت کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے سائنسی اور منطقی انداز اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور حکمت و دانش اور عبرت و نصیحت کے ساتھ یہ نیک کام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور بحث و تمحیص میں خالصتاً علمی انداز اپنانے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن" (النحل:125)

اپنے پروردگار کے راستے کی طرف نصیحت اور عمدہ دانائی کے ساتھ دعوت دو اور ان سے بہترین انداز سے مباحثہ کرو۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے سامنے دعوت پیش کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ نرم رویہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ارشاد باری ہے:

"وقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی" (طہٰ:44)

اور تم دونوں اس سے نرم بات کرنا' شاید وہ نصیحت حاصل کر لے اور (اللہ سے) ڈر جائے۔

معاشرتی زندگی میں دوستی اور دشمنی کے معیارات بدلتے رہتے ہیں' اس لئے ظلم و زیادتی کی صورت میں انتقامی کارروائی کرتے وقت عفو و درگزری اور صلح و آشتی کا رویہ اپنانا چاہئے'

اس سے معاشرے میں امن و سلامتی اور پیار و محبت جنم لیتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم" (فصلت:34)

نیکی اور برائی برابر نہیں۔ آپ عمدہ طریقے سے جواب (یا ردعمل کا اظہار کریں) دیں' پس بہت جلد وہ جس کی تمہارے ساتھ دشمنی ہے (اس طرح تبدیل ہو جائے گا) گویا کہ وہ گہرا دوست ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و یقین کی دولت عطا کرنے کے لئے عالم انفس و آفاق میں پھیلے ہوئے آیات بینات اور واضح براہین کا مشاہدہ کرایا' رات کی تاریکی میں چمکدار ستارے دیکھنے پر ان کے رب ہونے کا گمان ہوا مگر اس کے غائب ہونے پر اس نتیجہ تک رسائی حاصل ہوئی کہ غائب ہونے والی چیز کیسے رب ہو سکتی ہے۔ چاند کی مسحور کن چاندنی نے بے کیف کر دیا اور اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسے خدا سمجھ بیٹھے لیکن جب وہ بھی غائب ہو گیا تو اللہ سے ہدایت کے طلبگار ہوئے۔ آخری مرحلہ تحقیق کے دوران میں سورج کی حرارت وتمازت اور تیز روشنی نے پورے عالم کو بقعہ نور بنا دیا تو اس سے تاثر اخذ کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مگر شام کو سورج بھی غروب ہو گیا تو شرک سے مکمل بیزاری کا اعلان کیا اور اللہ کی وحدانیت پر یکسو ہو کر یوں گویا ہوئے: "انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین" (الانعام:79)

یقیناً میں نے یکسو ہو کر اپنے چہرے کو متوجہ کیا اس ذات کی طرف جس نے زمین آسمان کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے (ہرگز) نہیں ہوں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ محقق بھی آخری اور حتمی نتائج تک رسائی حاصل کرنے کے لئے عارضی طور پر بعض نتائج اخذ کرتا ہے اور حتمی نتیجہ اخذ کرنے کے بعد ان عارضی نتائج کو ترک کرتا چلا جاتا ہے اور یہی درست علمی و تحقیقی انداز فکر ہے۔

تحقیق کی بنیادیں محکم براہین اور مضبوط دلائل پر استوار ہوتی ہیں' محض شک وشبہ اور وہم و گمان پر تحقیقی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں اسلام کی صداقت و حقانیت پر مبنی آیات و دلائل بیان کر کے انسان کے علمی انداز میں اسلام کی دعوت پیش کی ہے اگر وہ چاہے تو علم وحی اور معرفت الٰہی کی محکم اساس پر اپنے ایمان کو قائم کر لے ورنہ ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں ٹاک ٹوئیاں مارتا پھرے۔

"قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسه ومن عمی فعلیها وما انا علیکم بحفیظ" (الانعام:104)

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں آچکی ہیں۔ پس جو دیکھے گا وہ اپنی ذات کے لئے (دیکھے گا) اور جو نہ دیکھے گا اس کا نقصان اسی پر ہوگا اور میں تم پر کوئی نگران نہیں۔

منزل تحقیق تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر دیگر اصحاب تحقیق اور تلاش کاروں سے مدد حاصل کرنا اور اہل حکمت و دانش سے سوال کرنا علمی انداز تحریر اور اسلوب تحقیق کا خاصہ ہے۔ قرآن کریم کے مطابق عزیز مصر (بادشاہ مصر) نے خواب میں دیکھا کہ سات عدد موٹی گاؤں کو سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز گندم کے خوشے اور سات خشک بٹے دیکھے۔ تو اپنے حواریوں سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ اس پر جیل سے رہا ہونے والے ایک قیدی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے کہ انہیں تعبیر رویا کا علم حاصل ہے۔ وہ ان سے جاکر سوال کرنے لگا۔

"یوسف ایها الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلهن سبع عجاف وسبع سنبلت خضر و آخر یبست لعلی ارجع الی الناس لعلهم یعلمون" (یوسف:46)

اے سچے ترین یوسف علیہ السلام ! ہمیں سات موٹی گاؤں کے بارے بتا جنہیں سات کمزور گائیں کھالیتی ہیں اور سات سرسبز بٹے اور دوسرے خشک بٹے۔ تاکہ جب میں لوگوں کے پاس واپس جاکر (جاؤں) تو انہیں (حقیقت حال کا) علم ہو جائے۔

آفاق وانفس میں بکھری ہوئی آیات خداوندی اور مظاہر فطرت میں سے اختلاف لیل و نہار اور شب و روز کا تغیر و تبدل ہے۔ اس سے کائنات کی رونقیں بحال ہوتی ہیں اور اس کی گہما گہمیوں اور رنگینیوں کو چار چاند لگتے ہیں اور اس کے باسیوں کو راحت و آسائش کا سامان نصیب ہوتا ہے۔ انتہائی منظم و مربوط نظام اپنے اندر بہت بڑی عبرت رکھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ دن رات کا باری باری آنا جانا ختم ہو جائے اور ان کی تبدیلی کا عمل رک جائے تو اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے۔ جس کی ایک جھلک ہمیں قدرت نے خط استواء پر واقع سکنڈ نیوین ممالک کی شکل میں دکھائی ہے جہاں چھ چھ ماہ تک رات کا راج رہتا ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے' جس کا اظہار سورۃ القصص میں کیا گیا ہے تاکہ انسان عبرت حاصل کرے۔

"ومن رحمته جعل لکم اللیل والنهار لتسکنوا فیه ولتبتغوا من فضله ولعلکم تشکرون" (القصص:73)

اور اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے شب و روز (کا نظام) بنایا' تاکہ تم اس (رات) میں سکون حاصل کرو اور (دن کو) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جاتے ہوئے قدرے گھبراہٹ محسوس کی تو اللہ نے انہیں ید بیضا (روشن ہاتھ) اور مضبوط بازو کے معجزات سے سرفراز کرتے ہوئے فرمایا:

"اسلک یدک فی جیبک وتخرج بیضاء من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرهب فذنک برهان من ربک الی فرعون وملائه انهم کانوا قوما فسقین" (القصص:32)

تم (اے موسیٰ) اپنا ہاتھ تو جیب میں ڈالو تو وہ روشن ہو کر نکلے گا جس میں کوئی بیماری / برائی نہ ہو گی اور اپنی طرف ڈر سے اپنے پر کو ملاؤ۔ پس یہ یہ تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف دو نشانیاں ہیں۔ یقیناً وہ فاسق قوم تھے۔

اس کی تشریح میں مولانا عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں:

"literally, "drawe thy wing to thy side (away from fear.) When a bird is fritghtened, it ruffles its wings and prepare to fly away, but it is calm and composed, it sits with its winge drawen close to its sides, showing a mind sean e from danger."(۵۹)

کہ آپ عملی طور پر اپنے بازو کو اپنے جسم کے ساتھ ملائیں تو تمہارا خوف دور ہو جائے گا جس طرح پرواز کرتے وقت پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہے مگر جونہی وہ پرسکون ہوتا ہے تو اپنے پروں کو سمیٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔

قرآن نے وحی کو ایک قطعی اور یقینی علم کے طور پر متانت و سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

"انه لقول فصل O وما هو بالهزل O" (الطارق:13'14)

یقیناً یہ ایک فیصلہ کن بات ہے اور کوئی مذاق نہیں ہے۔

8- مواد کی جمع و تدوین (Collection and compilation of method):

تحقیق محض جمع و تدوین اور ترتیب مواد کا نام نہیں ہے بلکہ جمع کردہ مواد کا تجزیہ کرنا اور اس میں کھرے اور کھوٹے کو الگ کرنا' صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور سچ کو جھوٹ سے نکھنا ضروری ہے۔ محقق جب موضوع کا انتخاب کر لیتا ہے تو اس میں اولیں مصادر سے مواد اخذ و جمع کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ ورنہ اسے تحقیق کے ثانوی مصدر کا سہارا لیتا ہے۔ تحقیق ایک جذبہ' ایک شوق اور ایک تحریک کا نام ہے۔ ماضی میں مسلمانوں نے جو بڑی بڑی ایجادات کیں اور تحقیق کام کیے اس میں ان کے عالم ذوق و شوق اور محنت و اخلاص کو بڑا دخل رہا۔ وہ اپنے گھر میں ایک گوشہ مخصوص کر کے ایک مسئلہ کو لے کر دن رات اس پر غور کرتے تھے۔ بار بار کے تجربات کے بعد وہ نتائج اخذ کرتے جو یقیناً موجودہ سائنسی سہولتوں کی عدم دستیابی کے باوجود مستند اور حقیق تھے۔ مثلاً غزنوی کے دور میں مشہور عالم البیرونی نے جہلم کے نزدیک ایک پہاڑی پر بیٹھ کر زمین کی پیمائش کے بارے میں جو حقائق اخذ کیے وہ جدید سائنس نے درست قرار دیے ہیں۔ (٦٠)

قرآن حکیم نے بھی قرآن کی تعلیم کا بتاتے ہوئے آلہ کتابت و ضبط قلم کا ذکر کر کے اخبار و معلومات کو ضبط تحریر میں لانے کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے: "اقراء وربک الاکرم O الذی علم بالقلم" (العلق:3'4)

پڑھیے اور پروردگار بہت زیادہ معزز ہے' جس نے قلم کے ساتھ (لکھنا) سکھایا۔

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 282 میں مسلمانوں کو باہمی لین دین' تجارت اور کاروباری معاہدات کو تحریری وثیقہ کی شکل دینے اور اس پر باقاعدہ دو گواہ قائم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

جمع و تدوین قرآن کے ذریعے مسلمانوں کے ہاں ایک عظیم تحقیق روایت قائم ہوئی۔ غار حراء سے شروع ہونے والا حیات نبوی تک حسب ضرورت جاری رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے قرآن کا دور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کیا کرتے تھے اور سن وصال کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ قرآن کریم کا دور مکمل فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہ حفاظ کرام کی شہادت کی وجہ سے حضرت عمر فاروق ؓ نے خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق کو تجویز پیش کی کہ قرآن کو باقاعدہ شکل میں مدون کیا جائے۔ قدرے سوچ بچار کے بعد انہوں نے کہا: "شرح اللہ صدری بما شرح صدر

عمر " اللہ نے میرا سینہ بھی اسی کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے عمر کو شرح صدر حاصل تھی۔

چنانچہ حضرت زید بن ثابت کی زیر قیادت ایک ٹیم کو یہ نیک کام سپرد کیا گیا' انھوں نے اعلان عام کر دیا۔ آیات کے لانے والے کو دو عدد گواہ پیش کرنا ہوتے تھے۔ صرف ایک آیت ایسی باقی رہ گئی جس کے لانے والے کے پاس صرف ایک گواہ تھا' مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گواہی کو دو انسانوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا' لہٰذا اس کی شہادت کو قبول کرتے ہوئے اس کی بتلائی ہوئی آیت کو بھی قرآن میں شامل کر لیا گیا۔

یہ مدون' مصحف صدیقی حضرت حفصہ " اور حضرت عائشہ " کے پاس رہا یہاں تک کہ خلافی طور پر کثرت فتوحات کی وجہ سے عجمی لوگوں میں سے بہت زیادہ کے مسلمان ہونے کے سبب کے اختلاف کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عثمان " نے حضرت عائشہ " والا نسخہ لیکر اسی نعت قریش پر مبنی مدون مصحف صدیقی کی مزید مطلوبہ کاپیاں اور نسخہ جات کروا کر تمام عالم اسلام میں ارسال فرما دیئے اور اس طرح قرآن کی صداقت و حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔

جمع و تدوین قرآن کا فریضہ اللہ نے خود اپنے ذمہ لیا تھا ارشاد ہوا: ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قراناہ فاتبع قرانہ ○ ثم ان علینا بیانہ ○ " (القیامہ: 17' 19)

یقیناً اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہم (پر ذمہ عائد ہوتا) ہے پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ ' اس کے پڑھنے کی پیروی کریں پھر بلاشبہ اس کا بیان کرنا ہم پر ہے۔

مشہور اسکالر اور محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ جمع و تدوین قرآن کی روایت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

" تدوین اور حفظ دستاویزی تحقیق کا ایک اہم شعبہ ہے' جس کی پہلی موثر ترین مثال تدوین قرآن کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اس دور کے مروج رسم الخط اور اس کے پیش رو خط سے متعلق ضروری معلومات' سامان کتابت کی تفصیل' کاتبوں کے حالات' مضمون کے کوائف' سورتوں کی ترتیب' ناقلین کے نسخوں میں توفیق و یکسانیت' جامعیت قرآن کی قابل قدر مساعی۔ غرض کہ تمام پہلوؤں پر مبنی معلومات کا ایسا کافی و وافی ذخیرہ ہے جو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ کام پوری احتیاط اور تحقیق کے ساتھ عمل میں آیا ہے۔ " (٦١)

9- حاصل بحث:

باب ہذا کے مباحث کا ما حاصل اور نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

- امت مسلمہ سعید و خوش بخت ہے کہ علم کے مستند اور نہایت ہی معتمد مصدر وحی کی حامل ہے جسے مرجع اولیں کی حیثیت حاصل ہے اور جسے اولیں سرچشمہ رشد و ہدایت اور منبع نور و روشنی قرار دیا گیا ہے۔
- قرآن کریم نے تحقیق کے اسالیب میں سے تاریخی استشہادات اور آثار قدیمہ کو شمار کیا ہے' جسے علمی و تحقیقی دنیا کے ہاں بھی معتبر گردانا جاتا ہے۔
- حصول علم کے موثر ترین ذریعہ و وسیلہ کے طور پر قرآن کریم نے علمی رحلات اور اسفار کی تصدیق کی ہے اور حاملین و ترجمان نبوت و رسالت حضرات انبیاء و رسل نے تعلیم و تحقیق کی خاطر ہر طریقہ علم اختیار کیا ہے۔
- قرآن کریم نے منہاج تعلیم و تحقیق کو فروغ دیتے ہوئے جہاں انفرادی علمی مقالوں کو سراہا ہے وہاں اجتماعی منصوبوں کو اپنانے کی عملی تربیت فراہم کی ہے۔
- قرآن کریم نے دعوت دین اور اقامت و اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر نہایت علمی اور سائنسی اسلوب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

10- تجاویز و سفارشات:

ہمارے وطن عزیز میں تحقیق کا معیار بلاشبہ کمتر ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی نصاب میں کسی سطح پر بھی تحقیق و تنقیح اور تنقید و جانچ پڑتال کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ کالجوں اور دانش گاہوں علمی جامعات اور دینی مدارس سب کا حال ایک جیسا ہے بلکہ درس نظامی میں تو تحریر و تقریر اور تصنیف تالیف کی تربیت و ٹریننگ اور ادارہ تحقیق تصنیف و تالیف ناپید ہو چکے ہیں۔ طلباء معلومات و حقائق کو محض جمع کرنے اور رٹا لگانے میں اپنی عمر کا قیمتی حصہ گزار دیتے ہیں اور اس دوران میں انہیں تحقیق و تدقیق کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ ملازمت کے حاصل ہونے کے بعد اسے مالی منفعت اور ذاتی جاہ جلال کے حصول کی خاطر ڈاکٹریٹ کا خیال آتا ہے۔ جب وہ پی ایچ ڈی کے لئے اچانک کوئی عنوان منتخب کر لیتا ہے تو وہ تحقیق سے کس طرح انصاف کر سکتا ہے جبکہ اس کے مزاج میں ابھی تک کوئی تحقیقی رویہ سرے سے ہی موجود نہیں۔

اس صورت حال میں تحقیق صرف تدوین و تالیف کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ تحقیق معیار کی گراوٹ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ محقق جب تحقیق کے لئے موضوع لیتا ہے اس میں بنیادی ماخذ سے استفادہ کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ تحقیق کے لئے ثانوی مصادر (Secondary resources) کا سہارا لیتا ہے۔

پہلے لوگ تحقیق کی جانب ذوق وشوق کے ساتھ آتے تھے اور اخلاص و للہیت ان کا شیوہ ہوتا تھا۔ اب پی ایچ ڈی کے الاؤنس کی خاطر لوگ جائز و ناجائز طریقے سے موضوع لے لیتے ہیں اور تحقیق کا آغاز کر دیتے ہیں۔ نہ تو موضوع کی افادیت کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور نہ تحقیق میں گہرائی و گیرائی کا خیال کیا جاتا ہے۔ اب تحقیق ایک ایسی رسم بن کر رہ گئی ہے جسے بیوپار کا نام دیا جا سکتا ہے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری کو سیاسی رنگ دے دیا گیا ہے۔ جس کے لئے صدر شعبہ سے اچھے تعلقات استوار کرنا ازحد ضروری ہے' جس کا صدر شعبہ اور نگران سے ذاتی تعلق قائم ہو جائے وہ کامیاب ہو جاتا ہے ورنہ ہر طرح کے استحصال (Exploitation) کے ذریعے ڈگری کے حصول کی خاطر تعلقات بنانے پڑتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج کل اکثر مقالے چھپنے کی بجائے چھپائے جا رہے ہیں۔

ہمارے ہاں تحقیقی کام ٹھیکے پر کئے جاتے ہیں' امریکہ کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ وہاں بہت سی ایسی یونیورسٹیاں موجود ہیں جہاں پیشہ ور محققین پائے جاتے ہیں۔ ان کا کام معاوضہ لے کر دوسروں کے نام پر تحقیق کرنا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اس طرح کے کاروبار کا امکان پیشہ رہا ہے۔(۶۴)

ماضی سے مضبوط رشتہ قائم رکھنے پر ہر مذہب اور تہذیب نے زور دیا ہے۔ اسلام نے بھی اس کو فروغ دیا ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ وہ روئے زمین پر چلے پھرے' ماضی کے آثار پر نظر ڈالے' مجرموں کے انجام سے عبرت' نصیحت حاصل کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت (ماضی) کی اچھی چیزیں اپنانے اور نقصان دہ بری اشیاء کو ترک کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ عہد حاضر کے انسان کو بھی اپنے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے ماضی سے رشتہ استوار کرنا چاہئے۔

ایک نظریاتی قوم کی حیثیت سے ہمیں اپنے ماضی کے آثار کو اس طرح مرتب کرنا چاہئے کہ ہماری نوخیز نسلوں کی ایک غیر مرئی طریقے سے نظریاتی تربیت ہوتی رہے۔ اس مقصد کے لئے ایسے اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے' جہاں ہمارا قومی' ملی اور تہذیبی ورثہ محفوظ ہو اور اسے دوام

نصیب ہو۔

مذکورہ بالا گزارشات کی روشنی میں معزز قارئین کے استفادے کے لئے ہم چند ایک تجاویز وسفارشات پیش کر رہے ہیں۔

* پاکستان میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے کالجوں' یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں تحقیق کو تدریسی نصاب کا حصہ بنا دیا جائے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تحقیق اور تصنیف کا باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا جائے۔

* عام مطالعہ کی لائبریریوں کے ساتھ ساتھ ریفرنس لائبریریاں بنائی جائیں اور اگر مالی مشکلات وغیرہ کی وجہ سے مستقل ریفرنس لائبریریاں قائم کرنا مشکل ہو تو کم از کم ہر لائبریری میں ریفرنس سیکشن ہوں اور تلاش کاروں کے لئے ریسرچ کیبن بنائے جائیں۔

* ایم اے / ایم ایس سی / پوسٹ گریجوایٹ کی سطح پر تحقیقی مقالے کو لازمی قرار دیا جائے اور طلباء کے لئے نگران کا تعین مقالے کے عنوان کی منظوری کے ساتھ ہی کر دیا جائے۔

* پاکستان میں عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ پی ایچ ڈی کی ڈگری ہی کو تحقیقی دنیا کی آخری منزل قرار دے لیتے ہیں' حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک نشان راہ ہے منزل ہرگز نہیں۔ موجودہ صورت حال میں ڈاکٹریٹ کی سطح کا تحقیقی کام محقق میں محض تحقیقی منزل کی طرف بڑھنے کا رستہ متعین کرتا ہے۔ اصل تحقیق اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں رویے کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

* بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نجی شعبے میں کوئی ایسی ایجنسی یا ادارہ بھی موجود نہیں جو اپنے حضرات کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے حالانکہ ترقی یافتہ ممالک میں ایسی ایجنسیاں ملک کو درپیش مسائل پر مبنی تحقیقی منصوبے بناتی ہیں اور پھر ایسے تلاش کاروں کو ایسے کام میں شریک کیا جاتا ہے۔ ایسے پرائیویٹ اداروں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

* بیرونی ممالک کی یونیورسٹیاں تحقیقی کام کے سلسلے میں بڑی فعال ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسا نہیں' یونیورسٹی کی سطح پر تحقیقی کام کرنے والوں کی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اساتذہ کی محققانہ صلاحیتوں کو آہستہ آہستہ زنگ لگ جاتا ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ کی طرف سے یونیورسٹیوں میں شعبہ ہائے تحقیق و تصنیف کو مزید فعال اور موثر بنانے کی ضرورت ہے۔

* محققین حضرات کو ایک بہت بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ دن رات کی محنت شاقہ سے اپنا تحقیقی کام پایہ تکمیل کو پہنچاتے ہیں۔ ملک میں کوئی ایسا اشاعتی ادارہ نہیں جو ان کے کام کی قدردانی

کرے اور ان کے کام کی اشاعت بھی کرے اور انہیں معقول معاوضہ بھی دے۔ بعض لوگوں نے محققین کے ساتھ محض کاروباری رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ ان کے استحصال کرتے ہیں۔ اونے پونے داموں میں ان سے مسودے باقاعدہ رائلٹی ادا کرنے کے وعدے تحت ان کے مسودات (Manuscripts) اٹھا لیتے ہیں اور انہیں چھپوا کر اچھی خاصی رقم کماتے ہیں مگر محققین کو رائلٹی ادا نہیں کرتے۔ بعض اوقات مسودات گم کر دیے جاتے ہیں۔ خود راقم الحروف کے ساتھ دو مرتبہ اسی شہر لاہور میں ایسا ہو چکا ہے کہ اشاعتی اداروں نے تحقیقی و علمی کتب کے مسودے حاصل کر لئے اور اس کے بعد انہیں گم کر دیا یا پھر غائب کر دیا۔

★ جدید رجحانات تحقیق اور اسالیب تحقیق و جانچ پڑتال معلوم کرنے کے لئے ترقی یافتہ دنیا کی مختلف زبانوں میں تحقیقی کام کی تازہ بہ تازہ کاوشوں کو ملک میں درآمد کرنا چاہئے۔ ملکی سطح پر کسی ادارے کا مستقلاً بنیادوں پر قیام عمل میں لانا چاہئے۔ جو دیگر زبانوں سے اردو و انگریزی میں تراجم کر کے ان کی اشاعت کا فوری طور پر بندوبست کرے تاکہ ملکی محقق ان تازہ اور وقیع کاوشوں سے بھی استفادہ کریں اور اپنے تحقیقی کام کو منظم طور پر پیش کریں۔

★ ماضی کے آثار و نقوش کو محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ اور گزشتہ عہد سے رشتہ برقرار رکھنے کا موثر وسیلہ عجائب گھر اور میوزیم ہیں۔ عجائب گھر میں محفوظ ماضی کو محفوظ تر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم میڈیا کے ذریعے ایسے طریقے اختیار کریں جس سے ماضی کی روشنی پھیلے اور ہر ذہن منور ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے عجائب گھروں سے بہتر اور کوئی متبادل نہیں جیسا کہ چینیوں کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ ہزار بار سننے سے ایک بار دیکھنا زیادہ موثر ہوتا ہے۔(۴۳) نیز عربی کا محاورہ ہے "لیس الخبر کالمعاینه" خبر کو مشاہدہ کی حیثیت ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

★ تحقیقی ذہن' علمی تحریک اور فکری رجحان کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اس غرض کی خاطر شروع ہی سے سکولوں' کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں تحقیقی رجحان کو پیدا کرنا چاہئے' تحقیقی رسالے علمی میگزین شائع کیے جائیں اور ان میں طلباء کی نگارشات کو نمایاں مقام دیا جائے اور لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ علمی اور فکری سیمینار منعقد کرائے جائیں۔ تحریری مضامین اور مقالہ جات کے مقابلے ہونے چاہئیں اور اول' دوم' سوم آنے والوں کو انعامات سے نوازا جائے۔ تحقیقی نگارشات پیش کرنے والوں کو اعلیٰ تعلیم کی خاطر پوسٹ گریجوایٹ کلاسوں میں داخلہ کے وقت ترجیح دی جائے۔

* تحقیقی انداز فکر اور علمی کام کو زندگی کے تمام شعبوں میں رواج پذیر ہونا چاہئے۔ اقتصادی ' تجارتی ' کاروباری ' معاشرتی سیاسی اور ادبی علوم وفنون میں ریسرچ کو بدستور جاری رکھا جائے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ذوق وشوق کے حامل طلباء کو تحقیق کرنے کی خاطر ملکی سطح پر وظائف فراہم کئے جائیں اور پھر ان میں سے تسلی بخش کام نتائج برآمد کرنے والے محققین کو بیرون ممالک میں اسکالرشپ پر مزید تحقیقی کام کے لئے بھیجنے کا اہتمام کیا جائے۔

* ہمارے ہاں مروجہ درس نظام اور دینی مدارس و مکاتب میں تحریر اور لکھنے کی تربیت کا باقاعدہ انتظام کیا جانا ضروری ہے اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں تحقیق کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ قدیم و جدید علوم وفنون میں حسین امتزاج قائم ہو اور دور حاضر کے پیش آمدہ مسائل کا تحقیق اور سائنسی و فکری بنیادوں پر حل تلاش کیا جائے۔ ان شاء اللہ اس طرح ہم اقامت دین کے کام کو مزید بہتر انداز سے ادا کر سکیں گے۔

اللھم وفقنا للخیر والسعادہ فی الدنیا والاخرہ!

فہرست حوالہ جات

کتاب کا نام اور کوائف

(۱) انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن، مولانا عبداللہ یوسف علی، شائع کردہ امانت کارپوریشن ۴۳۲۱، گلی نمبر ۳۱ برنیٹوڈ، امریکہ، ۱۹۸۳ء، صفحہ نمبر ۵۹، حوالہ نمبر ۱۵۲

(۲) "تدبر و تفکر" مضمون در نوائے وقت لاہور، ریاض الرحمٰن ساغر، ۱۸ اگست ۹۹ء صفحہ نمبر ۲

(۳) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی" ڈاکٹر احسان اللہ خان، نگارشات لاہور ۹۶ء، صفحہ نمبر ۹، ۱۰

(۴) ایضاً صفحہ نمبر ۱۱ اور صفحہ نمبر ۱۲

(۵) تفسیر "فی ظلال القرآن" سید قطب، ج ۱، طبع ۵، ۱۹۹۷ء، صفحہ نمبر ۱۳ اور صفحہ نمبر ۱۴

(۶) ایضاً ج ۱، صفحہ نمبر ۲۱۶ و صفحہ نمبر ۲۱۷

(۷) انگلش "ترجمہ و تفسیر قرآن" مولانا عبداللہ یوسف علی، ص: ۱۵۳۹، حاشیہ: ۵۴۳۲

(۸) "تدبر قرآن" امین احسن اصلاحی، مولانا، فاران فاؤنڈیشن لاہور طبع ۲، ۸۶ء ص: ۳۱۰، ۳۱۱

(۹) "فی ظلال القرآن" ج ۱، ص: ۸۴، ۸۵

(۱۰) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی" ص: ۱۴۰

(۱۱) میگزین لوگی (Logy) شمارہ نومبر و دسمبر ۹۸، منصورہ ماڈل ڈگری کالج، اداریہ

(۱۲) مقالہ مسز صغریٰ خاکوانی، ماہنامہ "میثاق" لاہور، شمارہ نومبر ۹۸ء، ص: ۶۰

(۱۳) تفسیر ابن مسعود، تحقیق محمد احمد عیسوی، شرکۃ الطباعۃ العربیۃ السعودیۃ، الریاض، طبع ۱، ۱۴۰۵ھ، ص: ۳۷۲

(۱۴) "تحقیق کے روایتی اسلوب" مقالہ ڈاکٹر نجم الاسلام ص: ۱۴۷، "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات پر منتخب مقالات، مرتبہ اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، طبع ۱، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

(۱۵) "مقدمہ ابن خلدون"' علامہ ابن خلدون' مترجم مولانا سعد خان یوسفی' کراچی' سنہ ندارد' ص:۳۹
(۱۶) "الکتاب" ترجمہ قرآن' ترتیب و تہذیب' ڈاکٹر محمد عثمان' قرآن فاؤنڈیشن' لاہور طبع ۵' ۱۴۱۰ھ ص:۳۸۰
(۱۷) ایضاً ص:۳۸۰الف
(۱۸) میگزین "LOGY" اداریہ
(۱۹) ایضاً "مقالہ درایتی علم اور خوف خدا" پروفیسر رشید انگوی' ص:۳
(۲۰) تفسیر ابن مسعود' ص:۴۳۳
(۲۱) ایضاً ص:۴۷۸
(۲۲) ایضاً ص:۴۸۸
(۲۳) "فی ظلال القرآن" ج۱' ص:۴۱' ۴۲' ۴۴' ۴۵
(۲۴) ایضاً ج۱' ص:۴۵
(۲۵) میگزین "LOGY"' ص:۱۲
(۲۶) "فی ظلال القرآن"' ج۱' ص:۱۴۸
(۲۷) ایضاً ج۳' ص:۲۷
(۲۸) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی"' ص:۱۳
(۲۹) ایضاً' ص:۳۲ و ۴۰
(۳۰) "نور بصیرت" میاں عبدالرشید "نوائے وقت لاہور ۱۸ اگست ۱۹۹۹ء
(۳۱) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی" ص:۹' ۱۰
(۳۲) "تفہیم القرآن" سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا' ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور' ج ۴' ص: ۴۳۹ و ۴۴۰
(۳۳) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی" ص:۱۲۷
(۳۴) مقالہ مسز صغریٰ خاکوانی' ماہنامہ میثاق لاہور' شمارہ نومبر ۲۸' ص:۴۵
(۳۵) ایضاً' ص:۱۲۸
(۳۶) "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات" ص:۱۲۷
(۳۷) انگلش ترجمہ و تفسیر قرآن" عبداللہ یوسف علی' مولانا' ص:۱۴۳' حاشیہ:۳۴۷

(۳۸) "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات" ص: ۱۲۷، ۱۳۲
(۳۹) "مقدمہ ابن خلدون" ص: ۴۳
(۴۰) مقالہ بہ عنوان "تحقیق اور تحقیہ کا ربط باہم" مظفر علی سید، "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات" ص: ۱۶۱، بہ حوالہ عبداللطیف عباسی، شرح حدیقہ، سنائی (قلمی مخزونہ، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو)
(۴۱) ماہنامہ "میثاق" لاہور، ص: ۶۰
(۴۲) ایضاً، ص: ۶۶
(۴۳) "انگلش ترجمہ و تفسیر قرآن" عبداللہ یوسف علی، ص: ۲۰۵
(۴۴) "تدبر قرآن" ج: ۱، ص: ۴۰۶
(۴۵) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۹۲
(۴۶) "لائبریری سائنس اور اصول تحقیق" سید جمیل رضوی، مقتدرہ، قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء ص: ۳۴
(۴۷) "تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول و مبادی" ص: ۱۸ تا ۲۱
(۴۸) "ارتقاء کے مادی و حقیقی نظریات کا جائزہ" میاں نعیم مسعود "ہفت روزہ ایشیا" شمارہ نمبر ۴۸، ۱۶ نومبر ۱۹۹۸ء، لاہور، ص: ۱۳
(۴۹) "تفسیر القرآن العظیم" ابن کثیر، ابی الفداء، ج: ۳، طبع جدید، دار الفکر للطباعۃ، بیروت، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۶
(۵۰) ایضاً ج: ۳ ص: ۶۶ بہ حوالہ متفق علیہ، بخاری ۷/ ۲۵، مسلم ۸/ ۱۰
(۵۱) الفہرست، ابن ندیم، مترجم اسحاق بھٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص: ۴۸۸، ۵۱۴، ۷۶۶
(۵۲) "ارتقاء کے مادی اور حقیقی نظریات کا جائزہ" ص: ۳۱
(۵۳) "نصب العین کا فہم" ہفت روزہ ایشیا، لاہور، شمارہ: ۴۸، ص: ۱۵
(۵۴) "لائبریری سائنس اور اصول تحقیق" سید جمیل احمد رضوی، ص: ۱۳
(۵۵) "تدبر قرآن" ج: ۱، ص: ۵۲۵، ۵۲۴
(۵۶) "الکتاب" ص: ۳۶۳ الف، حاشیہ: ۱۲ ـ ۱۳
(۵۷) تفسیر عبداللہ بن مسعود، ص: ۲۳۴
(۵۸) بہ عنوان "مکالمہ ادب" ڈاکٹر انجم رحمانی، نوائے وقت لاہور، ۳ ستمبر ۱۹۹۹ء

(۵۹) "انگلش ترجمہ و تفسیر قرآن" مولانا عبداللہ یوسف علی ' حاشیہ: ۳۳۶۳ ' ۲۲۵۰

(۶۰) مقالہ ڈاکٹر انجم رحمانی ' نوائے وقت لاہور ۳ ستمبر ' ۱۹۹۹ء

(۶۱) "تحقیق و بنیادی لوازم" ڈاکٹر غلام مصطفیٰ ' تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات پر منتخب مقالات" مرتبہ اعجاز راہی ' مقتدرہ قومی زبان ' طبع:۱ ' اسلام آباد ' ۱۹۸۶ء

(۶۲) مقالہ ڈاکٹر انجم رحمانی ' نوائے وقت لاہور ' ۳ ستمبر ۱۹۹۹ء

(۶۳) ایضاً